بسم الله الرحمن الرحیم

دانشگاه مجازی المصطفی

علمی - تحقیقی ششماہی مجلّہ

انجمن علمی قرآن اور حدیث (اردو)

ذکر وفکر

سال چوتھا، شمارہ: ۶، ستمبر ۲۰۲۵

المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی

پیشکش:شعبہ قرآن اور حدیث _ شعبہ تحقیق

سرپرست: ڈاکٹر سعید ارجمند فر

چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر سید محمد علی عون

اڈیٹر: ڈاکٹر عقیل عباس ذیشان

اجرائی مدیر: سید محمد اختر رضوی

خط وکتابت: قم، خیابان ساحلی جنوبی، نزد مصلی قدس، پل ۱۹دی

پوسٹ کوڈ: ۳۷۱۳۹۱۳۵۵۴

ٹیلیفون/فکس: ۳۲۱۱۴۱۸۵-۳۲۶۱۳۸۷۵

تعداد: الکٹرانک

تعداد صفحات: ۱۰۶

Web: *mou.ir/ur*

Email: *zikrofikrmag@gmail.com*

مجلس تحریر

علی محمد نقوی	رکن علمی بورڈ علیگڑھ یونیورسٹی (ہندوستان)
ماہرخ مرزا	چانسلر معین الدین چشتی یونیورسٹی (ہندوستان)
زاہد علی زاہدی	رکن علمی بورڈ کراچی یونیورسٹی (پاکستان)
سید محمد علی عون نقوی	رکن علمی بورڈ جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، (ہندوستان)
جابر محمدی	استاد المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی (پاکستان)
عون علی جاڑوی	استاد المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی (پاکستان)
ثروت رضوی	ISI علمی تحقیقی مجلّہ (پاکستان)

ڈپٹی ریسرچ جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ

کی طرف سے

اس مجلّہ کی سطح، طلباء کی علمی انجمنوں سے مختص

علمی جریدہ کے طور پر معین کی گئی ہے۔

اس مجلّہ کے لئے مقالہ لکھنے کے رہنما اصول

۱۔ مقالہ میں درج ذیل موارد کا ہونا ضروری ہے:

عنوان، خلاصہ، کلیدی کلمات، مقدمہ، موضوع کی وضاحت (یعنی تحقیق کا اصلی سوال)، تحقیق کے نظریاتی مبانی (یعنی کلیدی کلمات کی وضاحت)، تحقیق کی روش، مقالہ کی تحریر، نتیجہ گیری، منابع کی فہرست

۲۔ صرف ایسے مقالات کو مجلّہ میں قبول کیا جائے گا جو پہلے کسی بھی جریدے میں نہ چھپے ہوں۔ اور مصنف اس مقالے کو کہیں دوسری جگہ چھاپنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

۳۔ مقالہ میں تحریر شدہ مطالب کی علمی اور حقوقی طور پر تمامتر ذمہ داری خود مصنف پر عائد ہو گی۔

۴۔ مجلّہ کو مکمل حق ہے کہ وہ مقالے کو قبول یا رد کر دے۔

۵۔ مقالہ کو چھاپنے کے بارے میں آخری فیصلہ مجلس ادارت کی سفارشات کے مطابق، چیف ایڈیٹر کو ہو گا۔

۶۔ مقالہ کم از کم ۷ صفحات اور زیادہ سے زیادہ ۳۰ صفحات پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ (ہر صفحہ = ۲۵۰ الفاظ)

۷۔ اس مجلے کے مطالب کو مصدر کا تذکرہ کرتے ہوئے نقل کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ مقالہ کی تحریر میں "علوی نستعلیق" کا فونٹ سائز ۱۴ استعمال کرنا ہو گا۔

۹۔ آخر میں منابع کی فہرست کو حروف الفباء کی ترتیب سے (حسب ذیل) مرتب کیا جائے گا:

اگر کتاب ہو تو: پہلے مصنف کا خاندانی نام، پھر مصنف کا اصلی نام، (کتاب کے نشر ہونے کا سال) **کتاب کا نام** "بولڈ فونٹ"۔ مترجم کا نام (اگر ترجمہ ہے)، چھاپ کا نمبر، مقام نشر، ناشر۔

اگر مقالہ ہو تو: پہلے مصنف کا خاندانی نام، پھر مصنف کا اصلی نام، (مقالہ کے نشر ہونے کا سال) **مقالے کا نام** "بولڈ فونٹ"۔ جریدے کا نمبر، جریدہ کے صفحوں کی تعداد۔

۱۰۔ خود تحریر میں منابع کے لیے ارجاعات: مصنف کا نام، نشر کا سال، صفحہ نمبر (توجہ رہے: فٹ نوٹ یعنی صفحہ کے نیچے نہیں بلکہ متن کے اندر ہی بریکٹ کے درمیان چھوٹے فونٹ سے لکھا جائے گا)

۱۱۔ صرف خاص موارد جیسا کہ مخصوص الفاظ کی انگش میں معادل اصطلاح، یا الفاظ کی تشریح یا کسی چیز کی اضافی وضاحت کو فٹ نوٹ (اسی صفحے کے نیچے) لایا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ مقالہ نگار کو چاہئے کہ اپنا مقالہ مجلے کی ای میل پر ارسال کرنے کے ساتھ ساتھ، اپنا علمی، اور تحصیلی تعارف بھی ارسال کرے۔

۱۳۔ مقالہ کے چھپنے کے بعد مجلے کا دفتر اس بات کا پابند ہے کہ اس مجلّہ کا ایک الکٹرانک نسخہ مقالہ نگار کو اس کے ای میل پر ارسال کرے۔

۱۴۔ مجلے کا ای میل ایڈریس: *urdujournal@mou.ir*

فہرست مقالات

ادار یہ -- ۷

قرآنی نمونہ معاشرہ اور دین داری: ایک تجزیاتی مطالعہ --- ۸

عقیل عباس ذیشان

قرآن اور نہج البلاغہ کی نگاہ میں انسان کامل --- ۲۷

عطیہ کاظمی

سوشل میڈیا: قرآن کی روشنی میں نعمت یا آزمائش --- ۴۶

حرا بتول نقوی

قرآن مجید میں انبیاء کی تبلیغات میں ان کی زوجات کا کردار ------------------------------------- ۶۴

گل جہان رضوی

ماہِ صیام: عبادتوں کا مہینہ اور امام عبادت -- ۸۳

سیدہ صابرہ فاطمہ، حرا بتول نقوی

عدم تحریف قرآن -- ۹۸

بہادر علی زیدی

اداریہ

المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی کے شعبہ قرآن اور حدیث میں اردو سیکشن کی خدمات کو دس سال کا عرصہ ہو چکا ہے اور ہماری دیرینہ خواہش تھی کہ اس شعبہ میں تحصیل علم میں مصروف طلبا اور طالبات کو علمی اور تحقیقی کاموں میں فعال کردار ادا کرنے کے لیے ان کی تحقیقات کو ایک جریدہ کی صورت میں منعکس کیا جائے، اللہ تعالی کے انتہائی مشکور ہیں کہ اس نے یہ توفیق عطا فرمائی کہ مجلّہ **ذکر و فکر** کے عنوان سے اس کام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

عصر حاضر میں جہاں ہر قسم کی مصنوعات کو آئے دن مختلف اسالیب اور انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہاں دین مبین اسلام اور اہل بیت علیہم السلام کی خالص تعلیمات کو عام کرنے کے لیے بھی تعلیمی اداروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قرآنی معارف کو جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ اور آسان طریقوں سے اپنے مخاطب تک پہنچانے کا انتظام کریں تاکہ ان تعلیمات کو دنیا میں عام کیا جاسکے اور آٹھویں لعل ولایت حضرت امام رضا علیہ السلام کی اس حدیث شریف کے مطابق جس میں فرمایا ہے کہ: فَإِنَّ النَّاسَ لَوْ عَلِمُوا مَحَاسِنَ كَلَامِنَا لَاتَّبَعُونَا (عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج۱، ص۳۰۷) اگر لوگوں کو ہماری کلام کے محاسن کا علم ہو جائے تو ہماری اتباع کرنا شروع کر دیں گے۔

قرآنی معارف میں غور و فکر کرنا اور اس کے دقیق معانی و مفاہیم کو آسان الفاظ میں پیش کرنا آج کی جوان نسل کے لیے ایک لازمی امر ہے، چونکہ جوں جوں دنیا میں ٹیکنالوجی کو فروغ مل رہا ہے اس سے نئے نئے سوالات جنم لے رہے ہیں جن کا تعلق مختلف دینی موضوعات سے ہو سکتا ہے اور ان کا معقول اور مستدل جواب دینا بھی ان دانشوروں، محققین اور ماہرین علوم دینی کی ذمہ داری ہے جنہوں نے اس شعبے میں اپنی زندگی کے قیمتی ایام صرف کیے ہیں۔ لہٰذا اس علمی اور تحقیقی مجلے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد اعلی تعلیم میں مصروف طلبا اور طالبات کی تشویق اور ترغیب ہے تاکہ وہ مستقبل قریب میں تحقیق کے مختلف میدانوں میں عصری تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اپنی تحقیقات پیش کر سکیں اور آج دنیا میں بالخصوص اسلامی دنیا میں موجود شدت پسندی اور باہمی کشمکش کا معقول طریقے سے مقابلہ بھی کیا جاسکے۔ آخر میں ادارہ، محققین، اساتذہ کرام اور ان تمام ذمہ داران خاص طور پر **المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی کے شعبہ تحقیق اور تولید محتوا** کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے اس علمی جریدہ کی تشکیل اور نشر و اشاعت میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

امید ہے مجلّہ کی بہتری کے لئے محترم قارئین اپنی قیمتی آراء سے نوازتے رہیں گے۔

اپنے نقطہ نظرات اور تجاویز کو مجلّہ کے ای میل پر ارسال فرمائیے گا۔ شکریہ

قرآنی نمونہ معاشرہ اور دین داری: ایک تجزیاتی مطالعہ

عقیل عباس ذیشان[1]

خلاصہ

قرآنی نمونہ معاشرہ اور دین داری کے موضوع پر یہ مقالہ ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے، جس کا مقصد قرآن کریم کی روشنی میں ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کے بنیادی اصولوں اور خصوصیات کو واضح کرنا ہے۔ قرآن کریم نے معاشرے کو "امت واحدہ" کے تصور پر استوار کیا ہے، جو اللہ کے سامنے تسلیم ہونے والے افراد پر مشتمل ہے۔ یہ معاشرہ نسلی، طبقاتی، یا جغرافیائی تقسیم سے بالاتر ہو کر صرف عقیدتی بنیادوں پر قائم ہے۔ قرآن کا مثالی معاشرہ عدل، انصاف، اور اخلاقی اقدار کو فروغ دیتا ہے، جس کا بنیادی مقصد اللہ کی رضا کو حاصل کرنا اور زمین پر خلافت الٰہی کو قائم کرنا ہے۔

آج کے دور میں معاشرتی مسائل کے حل کے لیے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کا تصور انتہائی اہم ہے۔ یہ تحقیق اس سلسلے میں قرآنی اصولوں کو واضح کرتی ہے اور ان کی عملی تطبیق کی راہ ہموار کرتی ہے۔ اس موضوع پر متعدد تحقیقات ہو چکی ہیں، لیکن اکثر میں قرآنی معاشرے کے تمام پہلوؤں کو جامع طور پر پیش نہیں کیا گیا۔اس مقالے کا مقصد قرآنی معاشرے کی مکمل تصویر پیش کرنا ہے۔

یہ تحقیق اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کرتی ہے کہ قرآن کریم کے مطابق ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اس معاشرے کی خصوصیات کیا ہیں اور یہ کس طرح انسانی سعادت اور کمال کو یقینی بنا سکتا ہے؟

نتائج تحقیق: قرآنی مثالی معاشرہ توحید پر مبنی ہے، جس میں اللہ کی وحدانیت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ معاشرہ خلافت الٰہی کے تصور پر قائم ہے، جہاں انسان اللہ کی صفات کو اپنے اندر اور معاشرے میں نمایاں کرتا ہے۔ دینی تعلیمات

[1]- استاد جامعہ المصطفیٰ العالمیہ

اس معاشرے کی بنیاد ہیں، جو عدل، امن، اور فلاح کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اجتماعی عبادات، جیسے نماز باجماعت اور زکوٰۃ، معاشرے میں اتحاد اور یکجہتی کو فروغ دیتی ہیں۔ دینی شعائر کی تعظیم معاشرے کو فساد اور تباہی سے محفوظ رکھتی ہے۔

نتیجہ: قرآنی مثالی معاشرہ ایک ایسا معاشرتی نظام پیش کرتا ہے جو عدل، اخلاق، اور روحانی اقدار پر مبنی ہے۔ یہ معاشرہ نہ صرف فرد کی بلکہ پورے معاشرے کی سعادت اور کمال کو یقینی بناتا ہے۔

بنیادی الفاظ : قرآنی معاشرہ، دین داری، توحید، خلافت الٰہی، اجتماعی عبادات، دینی شعائر

تمہید

قرآن کریم، جو انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی آخری ہدایت ہے، نہ صرف فردی زندگی بلکہ اجتماعی اور معاشرتی نظام کے لیے بھی مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ قرآن کا مثالی معاشرہ ایک ایسا نظام پیش کرتا ہے جو توحید، عدل، اور اخلاقی اقدار پر مبنی ہو۔ یہ معاشرہ صرف مادی ترقی تک محدود نہیں، بلکہ روحانی اور اخلاقی بلندیوں کو بھی اپنے مقاصد میں شامل کرتا ہے۔ قرآن کے مطابق، ایک مثالی معاشرے کا بنیادی مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا، عدل قائم کرنا، اور انسانوں کو حقیقی سعادت تک پہنچانا ہے۔ اس مقالے میں قرآنی مثالی معاشرے کی تشکیل، اس کے بنیادی اصول، اور اس کی خصوصیات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

لفظ «معاشرہ» قرآن میں

قرآن کریم میں معاشرتی اور سیاسی مفاہیم کو بیان کرنے کے لیے مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان میں "امت"، "ناس"، "قوم"، "قبائل"، "شریعت"، "طاغوت"، "ولی"، اور "امام" جیسے الفاظ شامل ہیں۔ یہ الفاظ معاشرتی نظام اور سیاسی رجحانات کو واضح کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، لفظ "امت" قرآن میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے، جیسے کہ زمانہ، پیشوا، طریقہ، یا انسانوں کا ایک گروہ۔ یہ لفظ اکثر دین میں زمانی و مکانی ہمبستگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مذکورہ مطالب سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم نے بہت سی آیات میں مختلف الفاظ کو استعمال کر کے معاشرے کے مختلف

مسائل کے بارے میں گفتگو کی ہے۔

قرآن کریم نے اپنے مثالی معاشرے کو "امت" کا نام دیا ہے، [إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً] یہ تمہاری امت یقینا امت واحدہ ہے۔ جو ایک واحد امت کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ یہ معاشرہ اعتقادی بنیادوں پر قائم ہے اور اس کی شناخت "حق کے سامنے تسلیم ہونا" ہے۔ [رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ](بقرہ، آیت ۱۲۸)اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا اور ہماری ذریت سے اپنی ایک فرمانبردار امت پیدا کر۔

قرآن نے اپنے معاشرے کو نسلی، طبقاتی، یا جغرافیائی عناوین سے منسوب نہیں کیا، بلکہ اسے "مسلمان امت" کا نام دیا ہے، جو خدا کے سامنے تسلیم ہونے والے افراد پر مشتمل ہے۔اقرآن کریم نے مادی مکاتب کے برخلاف کبھی بھی نسلی عناوین جیسے "عرب، تازی، سامی" اور طبقاتی عناوین جیسے "کمزور و غریب افراد اور اشرافیہ" اور جغرافیائی اور سرزمینی عناوین جیسے "شرقی یا غربی" اور۔۔۔انتخاب نہیں کیا ہے۔

قرآنی مثالی معاشرے کا مقصد اور دائرہ:

قرآن کریم کی مثالی جماعت کا بنیادی مقصد ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا ہے جو اللہ کی رضا کے مطابق ہو۔اس جماعت کا دائرہ وسیع ہے ۔ قرآنی مثالی معاشرے کا بنیادی ہدف انسانوں کو حقیقی سعادت اور کمال تک پہنچانا ہے۔ یہ سعادت صرف خدا کی معرفت اور اس کے قرب کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔

علامہ طباطبائی فرماتے ہیں؛

"اسلامی معاشرے کا ہدف ایسی حقیقی سعادت ہے جو عقلی بنیادوں پر ہو، یعنی انسان اپنے میلانات اور اپنی انفرادی قوتوں کے تقاضوں کے مابین توازن برقرار کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسی قدر اپنے خواہشات سے اجتناب پسندی کی راہ میں قدم رکھے کہ اس کے میلانات اسے عبادت سے نہ روکیں، جو حق کی شناخت کا وسیلہ ہے۔" (. طباطبائی، المیزان، ترجمہ موسوی، ج ۴، ص ۱۷۲)

قرآن کے مطابق، انسانی معاشرے کا ہدف خدا کی عبادت (-ذاریات، آیت ۵۶)، عدل وانصاف کا قیام، اور معاشرتی توازن برقرار رکھنا (-حدید، آیت ۲۵) ہے۔ پیغمبروں کی بعثت کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی طرف

رہنمائی کریں اور معاشرے میں عدل قائم کریں۔

قرآنی مثالی معاشرے کی وسعت تمام انسانوں کو شامل کرتی ہے اور اس کی سرحدیں جغرافیائی نہیں ہیں۔ لہٰذا "ہر وہ شخص جو اسلامی عقیدے کا معتقد ہو تو وہ اسلامی معاشرے کا جزو ہے اور اسکی نسل، زبان، رہائش گاہ، تاریخی سابقہ اور اسکے خاندان کا اس میں کوئی اثر نہیں ہے"۔ (. عمید زنجانی، حقوق اقلیت ھا، ص ۲۴)

یہ معاشرہ صرف عقیدتی بنیادوں پر قائم ہے اور ہر وہ شخص جو اسلامی عقیدے کا معتقد ہو، اس معاشرے کا حصہ ہے۔ قرآن کا مثالی معاشرہ دوسرے خیالی معاشروں کے برعکس ہے، جو بیرونی اثرات سے خود کو الگ تھلگ رکھتے ہیں۔ قرآن کا معاشرہ دوسروں کے ساتھ صحیح تعلقات قائم کرنے اور انصاف پر مبنی نظام قائم کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ قرآنی مثالی معاشرہ انسانوں میں صحیح ارتباطات کی تنظیم (. ال عمران، آیت ۲۰۰؛ بقرہ، آیات ۸۳، ۱۸۰، ۲۱۵؛ نسأ، آیت ۱۳۵) اور دوسرے حقیقت طلب افراد (. توبہ، آیت ٦) کو پناہ دینے جیسے معاملات کی حکمت عملی کی راہ پیش کرتا ہے اور اسلامی حکومت کی طرف سے جزیہ اور ٹیکس لئے جانے کی صورت میں (. توبہ، آیت ۲۹) اقلیتوں کے حقوق کی بھی پاسداری کرتا ہے تاکہ وہ بھی الٰہی عدل اجتماعی کے سائے تلے خوش بختی اور کامیابی کا احساس کریں۔

قرآنی مثالی معاشرے کی خصوصیات:

قرآن کریم، جو انسانیت کی رہنمائی کا سب سے اہم ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ، نہ صرف انسانی زندگی کے فردی پہلوؤں پر توجہ دیتا ہے، بلکہ خاص طور پر انسانی معاشرے کی ساخت اور اس کے افعال پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ قرآن کریم میں مثالی معاشرہ وہ معاشرہ ہے جو خدائی اصولوں اور دینی اقدار پر قائم ہو اور جس کا مقصد زمین پر خلافت الٰہی کو قائم کرنا ہو۔ یہ معاشرہ قرآن کے بنیادی تعلیمات پر استوار ہوتا ہے اور اجتماعی عبادات، دینی شعائر کی تعظیم اور معاشرے کے افراد کے درمیان اتحاد و یکجہتی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس مثالی معاشرے کا مطالعہ نہ صرف قرآنی مفاہیم کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے، بلکہ یہ آج کے ان معاشروں کے لیے ایک عملی نمونہ بھی پیش کرتا ہے جو عدل، اخلاق اور اجتماعی سعادت کے حصول کی کوشش میں ہیں۔

یہ مقالہ "قرآن کریم میں مثالی معاشرہ اور دینداری" کے موضوع پر مرکوز ہے، جس میں اس معاشرے کے مختلف

پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ سب سے پہلے، خلافت الٰہی کے تصور کو مثالی معاشرے کی تشکیل کے مرکزی نقطہ کے طور پر پر کھا گیا ہے۔ اس کے بعد، قرآن کی بنیادی تعلیمات، جو اس معاشرے کی بنیاد ہیں، کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مزید برآں، اجتماعی عبادات کا کردار، جو معاشرے میں اتحاد اور مضبوطی کو فروغ دیتا ہے، اور دینی شعائر کی تعظیم کی اہمیت، جو اسلامی معاشرے کی شناخت اور وحدت کی علامت ہے، کو واضح کیا گیا ہے۔

قرآنی مثالی معاشرے کی تمام خصوصیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنا ایک انتہائی مشکل اور وسیع کام ہے، کیونکہ قرآن کریم نے معاشرتی زندگی کے بے شمار پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی لیے، اختصار کے پیش نظر، عام طور پر مثالی معاشرے کی بنیادی اور اہم ترین خصوصیات کے ذکر پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ یہ خصوصیات نہ صرف معاشرے کی تشکیل کی بنیاد ہیں، بلکہ اس کے استحکام اور ترقی کے لیے بھی ناگزیر ہیں۔

ا۔ توحید پر مبنی دینداری:

توحید پر مبنی دین داری سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے عقائد، عبادات، اور معاشرتی روابط کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے احکامات کے مطابق مرتب کرے۔ یہ ایک ایسا فکری اور عملی نظام ہے جس کی بنیاد توحید پر استوار ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی یکتائی کو تسلیم کرنا اور ہر قسم کے شرک سے مکمل پرہیز کرنا۔ توحید پر مبنی دین داری نہ صرف فرد کی روحانی طہارت کا ذریعہ ہے، بلکہ یہ معاشرے میں عدل، امن، اور بھائی چارے کو فروغ دینے کا بھی ضامن ہے۔

چونکہ انسان اور معاشرے کی تخلیق اور ترقی کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کا قرب حاصل کرنا، انسان میں الٰہی صفات کو نمایاں کرنا، اور معاشرے کے ہر پہلو پر توحید کی بنیاد کو غالب کرنا ہے، اس لیے قرآنی مثالی معاشرے کے قوانین، اصول، اور سماجی تعلقات خالص توحید کی بنیاد پر تشکیل پاتے ہیں۔ قرآن کریم امن و سکون اور عوامی بہبود کے پائیدار استحکام کا واحد راستہ شرک سے اجتناب کو قرار دیتا ہے، اور بہت سے معاشروں کی تباہی کا سبب ان کے اکثر افراد کا مشرک ہونا بتاتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: [قُلْ سِيرُوا فِي الأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ

كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ](. روم، آیت ۴۲) "کہو: زمین میں سفر کرو اور دیکھو کہ تم سے پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا؟ ان میں سے اکثر شرک کرنے والے تھے۔"

یہ آیت ہماری توجہ اس اہم نکتے کی طرف مبذول کراتی ہے کہ گذشتہ اقوام پر نازل ہونے والے عذاب کا بنیادی سبب ان کا ایمان نہ لانا تھا، کیونکہ ان میں سے اکثر افراد نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تھا۔ اس طرح، یہ آیت ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کرتی ہے کہ شرک اور کفر کے راستے پر چلنا نہ صرف روحانی گمراہی کا باعث بنتا ہے، بلکہ یہ دنیوی عذاب اور تباہی کا بھی سبب بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا اور شرک سے مکمل اجتناب کرنا ہی وہ راستہ ہے جو انسان کو عذاب سے بچاتا ہے اور اسے کامیابی وفلاح کی طرف راہنمائی فراہم کرتا ہے۔

اسی طرح، قرآن کریم ایک اور مقام پر فرماتا ہے: [إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ](. شعراء، آیات ٦٧، ١٠٣، ١٢١، ١٣٩، ١٥٨، ١٧٤، ١٩٠) "بے شک اس واقعے میں ایک نشانی ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائے۔"

یہ آیات اس بات کو واضح طور پر بیان کرتی ہیں کہ قرآنی نقطہ نظر کے مطابق، ایک مثالی معاشرے کی پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے انسان کو کسی بھی صورت یا نام میں معبود یا رب کا درجہ نہ دے۔ بلکہ، زندگی کے ہر شعبے میں خالص توحید کا اظہار ہونا چاہیے۔ اس لیے، قرآنی معاشرے کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ خالص توحید پر استوار ہو، جس میں دین کی وسعت اور تنوع پایا جاتا ہو۔ ایسا معاشرہ اپنی ہر جہت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مرکزی حیثیت دیتا ہے اور ہر قسم کے شرک سے مکمل پرہیز کرتا ہے۔

یہ معاشرتی نظام اللہ کی یکتائی کو ہر عمل اور ہر رشتے کی بنیاد بناتا ہے، جس سے نہ صرف فرد کی روحانی بلندی ممکن ہوتی ہے، بلکہ معاشرے میں عدل، امن، اور اخوت کا فروغ بھی یقینی بنتا ہے۔ قرآنی معاشرہ اپنی تمام تر سرگرمیوں اور تعلقات میں اللہ کی رضا کو مقدم رکھتا ہے، جو اسے دیگر معاشروں سے ممتاز اور مثالی بناتا ہے۔

الف) خلافت وصبغۂ الٰہی:

جیسا کہ کامل انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور اس کی جمالی وجلالی صفات کا آئینہ دار ہے، اسی طرح مثالی معاشرہ، جو کہ کامل ترین معاشرہ ہوتا ہے، معاشرتی اعتبار سے خلافت الٰہی کا حامل ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاشرے کے تمام اجتماعی امور میں اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی صفات کا عکس نظر آتا ہے۔

قرآن کریم نے بنی نوع انسان کی فضیلت اور کرامت کا معیار خلافت الٰہی کو قرار دیا ہے۔(. بقرہ، آیت ۳۰) یہ خلافت الٰہی انسان کو یہ مقام عطا کرتی ہے کہ وہ اللہ کی صفات کو اپنے اندر اور اپنے معاشرے میں نمایاں کرے۔ اس طرح، انسان نہ صرف اپنی انفرادی زندگی میں بلکہ اجتماعی سطح پر بھی اللہ کی رضا کے مطابق کام کرتا ہے، جو اسے دیگر مخلوقات سے ممتاز اور بلند مقام عطا کرتا ہے۔ خلافت الٰہی کا یہ تصور انسان کو یہ ذمہ داری بھی دیتا ہے کہ وہ زمین پر عدل، رحمت، اور توازن قائم کرے، جو اللہ کی صفات کا عکاس ہو۔****

اللہ تعالیٰ کا خلیفہ وہ ہے جو اپنے مستخلف عنہ (یعنی جس کی جانب سے وہ خلیفہ مقرر کیا گیا ہے) کے احکامات کو بیان کرے اور اس کے فرمان کی اطاعت کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ طاغوتی اور سرکش انسان بن جاتا ہے، جو عزت اور سکون کی دلکش آواز (وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا؛ اسراء، آیت ۷۰) کی بجائے دردناک عذاب اور مصیبت "أُوْلَئِكَ كَالأَنْعامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُوْلَئِكَ هُمُ الْغافِلُونَ "(اعراف، آیت ۱۷۹؛ ترجمہ: وہ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں) کو جھیلے گا۔

جس طرح اللہ کا خلیفہ ہونے کے ناطے کامل انسان کے پاس یہ اختیار ہے کہ وہ اللہ کے اذن سے اپنی ذمہ داریوں کو بہترین طریقے سے انجام دے، اسی طرح ایک مثالی معاشرہ، جو خلافت الٰہی کا حامل ہے، کے پاس بھی یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے اجتماعی اہداف کو حاصل کرے اور اپنی معاشرتی آرزووں اور کمال کو عملی شکل دے۔ قرآن کریم اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ ایک مثالی معاشرہ وہ ہے جو اللہ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے اپنے مقاصد کو پورا کرے اور اپنی اجتماعی زندگی کو اللہ کی رضا کے مطابق ڈھالے۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ معاشرے کی ترقی اور کامیابی کا راز اللہ کی ہدایت پر چلنے اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہونے میں پوشیدہ ہے۔ جو معاشرہ اللہ کی خلافت کو اپناتا ہے اور اس کے احکامات کی پیروی کرتا ہے، وہی حقیقی معنوں میں کامیاب اور فلاح پانے والا معاشرہ ہوتا ہے۔

[وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آَمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لاَ يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الفَاسِقُونَ](. نور، آیت ۵۵)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال بجالائے ہیں اللہ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں زمین

میں اس طرح جانشین ضرور بنائے گا جس طرح ان سے پہلوں کو جانشین بنایا اور جس دین کو اللہ نے ان کے لیے پسندیدہ بنایا ہے اسے پائدار ضرور بنائے گا اور انہیں خوف کے بعد امن ضرور فراہم کرے گا، وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اس کے بعد بھی جو لوگ کفر اختیار کریں گے پس وہی فاسق ہیں۔"

مذکورہ آیت شریفہ میں زمین پر ایک معاشرے کے استخلاف (یعنی خلیفہ بنانے) کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر اس آیت میں خلافت کو انسان کے لیے خلافت الٰہی سے متعلق آیات (جیسے بقرہ، آیت ۳۰) کی بنیاد پر منطبق کریں، تو اس آیت میں بھی معاشرتی استخلاف کی واضح تاکید نظر آتی ہے۔ تاہم، اگر اسے گزشتہ امتوں کی جانشینی کے معنی میں لیا جائے، تو اس آیت سے معاشرتی استخلاف کا واضح مفہوم اخذ نہیں ہوتا۔ البتہ، ایک اور زاویے سے یہ معنی بھی ممکن ہے، کیونکہ مہدوی معاشرہ، جو خلیفہ الٰہی کی امامت کے تحت قائم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر مبنی ہوتا ہے اور مثالی معاشرے کا کامل ترین نمونہ ہوتا ہے۔ اس معاشرے میں امام زمانہ (عج) اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوتے ہیں، اور معاشرے کے افراد معصوم امام کی پیروی کرتے ہیں۔ معاشرتی تعلقات اور نظام حکومت بھی مستخلف عنہ (یعنی اللہ تعالیٰ) کے احکام پر استوار ہوتا ہے اور خلیفہ الٰہی کی رہنمائی میں چلتا ہے۔ لہٰذا، بلاتردید ایسا معاشرہ بھی خدائی خلافت کی ایک واضح علامت اور نشانی ہے۔

شہید صدر کے مطابق": معاشرتی امور میں انسان کی زمین پر الٰہی جانشینی سے مراد یہ ہے کہ انسانی معاشرہ ہر قسم کی وابستگی اور تعلق سے پہلے ایک مرکز سے منسلک ہوتا ہے، اور وہ مرکز اس کی خلافت کا وہی مرکز ہے، یعنی خدائے متعال، جس نے اسے زمین پر اپنا جانشین بنایا ہے۔" (سید محمد باقر، خلافت انسان در روی زمین، ترجمہ: ڈاکٹر جمال موسوی، ص ۱۴)

مزید برآں، مثالی معاشرے کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس معاشرے کا رنگ اور صبغہ حقیقی معنوں میں الٰہی ہوتا ہے۔ یہ معاشرہ اپنی تمام تر سرگرمیوں اور تعلقات میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھتا ہے، جو اسے دیگر معاشروں سے ممتاز اور مثالی بناتا ہے۔ اس طرح، یہ معاشرہ نہ صرف عدل اور انصاف کا نمونہ ہوتا ہے، بلکہ روحانی اور اخلاقی اقدار کو بھی فروغ دیتا ہے، جو اسے حقیقی معنوں میں الٰہی رنگ عطا کرتا ہے۔

[صِبْغَةَ اللهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ](. بقرہ، آیت ۱۳۸)

" خدائی رنگ اختیار کرو، اللہ کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہو سکتا ہے؟ اور ہم صرف اسی کے عبادت گزار ہیں۔"

لہٰذا، مثالی معاشرے میں تمام عمرانی امور موجود ہوتے ہیں۔ تمام شہری اور بنیادی نظاموں میں، سماجی تعلقات میں، معاشرے کی مختلف ذمہ داریوں میں، اور افراد کے ہر طرح کے کردار میں خدائی رنگ پایا جاتا ہے۔ یہ رنگ اس لحاظ سے نمایاں ہوتا ہے کہ اس میں اللہ کی عبودیت اور اس کی بندگی و اطاعت کی نشانیاں واضح ہوتی ہیں، اور معاشرے کی فضا اللہ کے اسماء و صفات کی جلوہ گاہ بن جاتی ہے۔ مزید یہ کہ تخلیقی امور، جو سب اللہ کے اسماء کے مظاہر اور اس کے جمال و جلال کی عکاسی کرتے ہیں، کے علاوہ تشریعی امور اور معاشرے میں افراد کے اختیاری کردار بھی اسی طرز پر انجام پاتے ہیں کہ وہ اللہ کی عبودیت اور بندگی کا عملی نمونہ ہوتے ہیں۔ یہ کردار اور اعمال دیکھنے والوں کو اللہ کی یاد دلاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ: "ایسے شخص کے ساتھ میل جول رکھو جو تمہیں اللہ کی یاد دلائے "(بقرہ، آیت ۱۳۸)۔

مثالی معاشرے میں، اگرچہ بہت سے افراد میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے، معاشرتی نظام اور اجتماعی کردار بھی اسی مثالی خصوصیت پر مشتمل ہوتا ہے۔

امام رضا علیہ السلام "بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ "کی تفسیر میں فرماتے ہیں:
"اس کا معنی یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کے ساتھ علامت لگاتا ہوں، اور وہ عبودیت اور بندگی ہے "(طباطبائی، المیزان، جلد ۱، ص ۲۲)۔

اس حدیث شریف کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی معاشرے کی پیشانی پر "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم "کا نقش ثبت ہے، یعنی یہ معاشرہ اپنے آپ کو اللہ کی عبودیت کی نشانی کے ساتھ ممتاز کرتا ہے۔

یہ خصوصیت اس بات کی نفی نہیں کرتی کہ مثالی معاشرے میں، خاص طور پر درمیانی سطح کے معاشروں میں، کسی قسم کا فساد یا گناہ واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ انسانی آزادی اور اختیار کی بنیاد پر، تشریعی اور قانونی امور میں غیر معصوم افراد سے خلاف ورزی اور گناہ کا صدور ممکن ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی بعض آیات سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کوئی معاشرہ

گناہ اور فساد سے مکمل طور پر پاک نہیں ہے:

[وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ) [انعام، آیت ۱۲۳)

"اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑے بڑے مجرموں کو پیدا کیا تا کہ وہاں (برے) منصوبے بنائیں، لیکن درحقیقت وہ غیر شعوری طور پر اپنے ہی خلاف منصوبے بناتے ہیں۔"

تاہم، یہ بات مثالی معاشرے کی خلافت اور الہی رنگ رکھنے والی خصوصیت کے ساتھ متصادم نہیں ہے، کیونکہ اس معاشرے میں گناہ اور فساد یا تو فردی اور ذاتی دائرے تک محدود رہتے ہیں اور معاشرے کے عمومی دائرے تک نہیں پھیلتے، یا اگر کبھی عمومی امور میں سرایت کر جائیں تو فوری طور پر ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے والے افراد معاشرے کو اس فساد سے نجات دلا دیتے ہیں:

[وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ المُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ المُفْلِحُونَ) [آل عمران، آیت ۱۰۴)

"اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو نیکی کی دعوت دے، بھلائی کا حکم دے، اور برائیوں سے روکے۔ یہی لوگ کامیاب ہیں۔"

اس طرح، مثالی معاشرہ اپنی الہی شناخت اور خلافت کی خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے، فساد اور گناہ کے خلاف مستعد رہتا ہے اور اسے روکنے کے لیے فعال کردار ادا کرتا ہے۔

ب) دینی تعلیمات سماجی زندگی کی بنیاد:

دینی تعلیمات سماجی زندگی کی بنیاد ہیں، جو معاشرے کے تمام شعبوں کو اللہ کے احکامات کے مطابق تشکیل دیتی ہیں۔ یہ تعلیمات فرد اور معاشرے دونوں کو عدل، امن، اور فلاح کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ قرآن و حدیث میں سماجی زندگی کے لیے واضح ہدایات موجود ہیں، جو نیکی، تعاون، اور حقوق العباد کی حفاظت پر زور دیتی ہیں۔ مثالی معاشرہ وہ ہے جہاں ہر فرد اپنے فرائض پورے کرے اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے۔ دینی تعلیمات معاشرے کو ظلم، فساد، اور ناانصافی سے پاک کرتی ہیں اور اسے روحانی، اخلاقی، اور مادی ترقی کی راہ پر گامزن کرتی ہیں، جس سے ایک متوازن اور پائیدار معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

ایک مثالی معاشرے میں فکری بصیرت، نظریات، عالم بینی، عقائد، اخلاقی اقدار، حقوق کا فلسفہ، قوانین، معاشرتی روایات، اور رسم و رواج سب کچھ وحی الٰہی سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ یہ تمام عناصر وحی کے اصل مصادر سے اخذ کیے جاتے ہیں اور معاشرتی نظام کی بنیاد بنتے ہیں۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ماضی میں بھی آسمانی کتابوں کی تعلیمات انبیاء اور ان کے جانشینوں کی حکومت کی اساس ہوا کرتی تھیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

[إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ) [...مائدہ، آیت ۴۴) "ہم نے تورات نازل کی، جس میں ہدایت اور روشنی تھی، اور فرمانبردار انبیاء اس کے مطابق یہودیوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے۔"

قرآن کریم نے آسمانی کتاب کو تھامے رکھنے (اعراف، آیت ۱۷۰) اور اس کی اتباع کو اللہ کی رحمت کا ذریعہ (انعام، آیت ۱۵۵)، عذاب سے نجات (زمر، آیت ۵۵)، اور سعادت حاصل کرنے کا راستہ (نور، آیت ۵۱، ۵۲) قرار دیا ہے۔ اسی طرح، حدود الٰہی کی خلاف ورزی کو ظلم (بقرہ، آیت ۲۲۹) اور جہنم میں داخلے کا سبب (نساء، آیت ۱۴) بتایا گیا ہے۔ لہٰذا، مثالی معاشرہ وحی الٰہی پر استوار ہوتا ہے، جو اسے عدل، امن، اور فلاح کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے واضح طور پر فرمایا ہے:

[قُلْ يَا أَهْلَ الكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ) [...مائدہ، آیت ٦٨)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! جب تک تم تورات، انجیل، اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، اس پر عمل نہ کرو، تم کسی درست راستے پر نہیں ہو۔ اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، وہ ان میں سے بہت سے لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اضافہ کرے گا۔ لہٰذا، آپ ان کافروں پر افسوس نہ کریں۔"

ان آیات کے مطابق، دین داری کی وسعت مثالی معاشرے کے تمام شعبوں کو اس طرح محیط ہے کہ گویا معاشرتی اور فردی زندگی کے ہر پہلو میں اللہ کی تشریعی اور قانونی مشیت کے سوا کوئی دوسرا معیار موجود ہی نہیں ہے۔ یہ معاشرہ اللہ کے احکامات اور ہدایات کو اپنی زندگی کا مرکز بناتا ہے، جس سے اس کی تمام تر سرگرمیاں اور تعلقات اللہ کی رضا کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اس طرح، مثالی معاشرہ نہ صرف عدل اور انصاف کا نمونہ ہوتا ہے، بلکہ روحانی اور اخلاقی اقدار کو بھی

فروغ دیتا ہے، جو اسے حقیقی معنوں میں الٰہی رنگ عطا کرتا ہے۔

ج) اجتماعی عبادت:

اسلامی معاشرے میں اللہ اور بندے کے درمیان ایک مضبوط ربط ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ ایک طرف مخلوق اپنے آپ کو اللہ کا بندہ سمجھتی ہے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتی ہے، جبکہ دوسری طرف وہ اپنی ہر ضرورت اور خواہش کے لیے اللہ سے دعا کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے اور اس کی حاجات کو پورا کرتا ہے۔ تاہم، اس فردی اور ذاتی تعلق سے بڑھ کر، قرآن کے مثالی معاشرے میں اجتماعی عبادات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

نماز باجماعت، دعا و مناجات کی محفلیں، اور اجتماعی طور پر احسان و انفاق کرنا ایسے اعمال ہیں جو مثالی معاشرے میں نمایاں طور پر موجود ہوتے ہیں۔ لوگ ان اجتماعات میں بڑے اہتمام اور توجہ کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ اس طرح، مثالی معاشرے کے افراد کی اجتماعی زبان حال یہ ہوتی ہے" :اِیّاکَ نَعبُدُ وَاِیّاکَ نَستَعین "(اے اللہ! ہم اجتماعی طور پر صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری مدد طلب کرتے ہیں)۔ یعنی وہ اجتماعی طور پر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد سے اس عبادت کو انجام دیتے ہیں، جو درحقیقت اللہ کی مدد کا ایک ظہور ہوتا ہے۔

یہ اجتماعی عبادات نہ صرف افراد کے درمیان اخوت اور یکجہتی کو مضبوط کرتی ہیں، بلکہ معاشرے کو روحانی اور اخلاقی طور پر بھی مستحکم بناتی ہیں۔ اس طرح، مثالی معاشرہ اپنی اجتماعی زندگی میں اللہ کی رضا کو مرکزیت دیتا ہے اور اس کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے ایک پاکیزہ اور متوازن معاشرتی نظام تشکیل دیتا ہے۔

یہ تمام الٰہی اور مثالی معاشروں کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اسی بنیاد پر بنی اسرائیل (جنہیں قرآن کریم نے اپنے زمانے کے نسبی طور پر برتر معاشرے کے طور پر پہچان کرواتے ہوئے فرمایا ہے" :يَا بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ"؛ بقرہ، آیت ۴۷؛ ترجمہ: اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم پر نازل کیں اور تمہیں دنیا والوں پر فضیلت دی) کو بھی اجتماعی عبادت اور نماز کی ادائیگی کے لیے دعوت دی گئی تھی۔

[وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ) [بقرہ، آیت ۴۳)

"اور نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، اور (اللہ کے سامنے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔"

یہ آیت سب سے پہلے نماز، جو ایمان کا پہلا مظہر اور اللہ کے ساتھ اہم ترین عبادی تعلق ہے، کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس کے بعد زکوٰۃ کے حکم کے بعد نماز کے واضح ترین مصداق، یعنی نماز باجماعت اور نمازیوں کے ساتھ شامل ہونے کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ اس آیت میں معاشرے کے دیگر افراد کے ساتھ مل کر نماز ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے (عبداللہ جوادی آملی، تفسیر تسنیم، ج ۴، ص ۱۱۱)۔

اجتماعی عبادت اور نماز میں شمولیت کا حکم حضرت مریم علیہاالسلام سے خطاب میں بھی آیا ہے:

[يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ) [آل عمران، آیت ۴۳)
"اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کرو، سجدہ کرو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔"

قرآن کریم میں مثالی معاشرے کی تشکیل کے لیے نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، اور دوسروں کی ہدایت ور ہنمائی کرنا مومنین کی اولین ذمہ داری قرار دی گئی ہے:

[الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ المُنْكَرِ وَللهِ عَاقِبَةُ الأُمُورِ) [حج، آیت ۴۱)
"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے، اور برائی سے منع کریں گے۔ اور تمام امور کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

اس بنیاد پر، قرآن کے مثالی معاشرے میں اجتماعی عبادت اور شرک کے تمام مظاہر کو ترک کرنا ایک نمایاں اور اہم صفت کے طور پر پیش کیا گیا ہے:[وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الفَاسِقُونَ) [نور، آیت ۵۵)
"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور اقتدار عطا کرے گا، جیسا کہ ان سے پہلے والوں کو عطا کیا تھا، اور ان کے لیے ان کے پسندیدہ دین کو مضبوط بنیاد فراہم کرے گا، اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔ وہ صرف میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک

نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر اختیار کریں گے، وہی فاسق ہیں۔"

واضح رہے کہ اجتماعی عبادت صرف نماز باجماعت، حج، یا دیگر رسمی عبادات تک محدود نہیں ہے، بلکہ ہر وہ نیک عمل جو اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے اور شریعت کے اصولوں کے مطابق ہو، عبادت شمار ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، ہر وہ کام جو فعلی اور فاعلی حسن رکھتا ہو، عبادت ہے۔ اس بنیاد پر، مثالی معاشرے کے افراد نہ صرف دعا و مناجات کی محفلوں اور اجتماعی عبادات میں فعال کردار ادا کرتے ہیں، بلکہ اپنے تمام معاشرتی کردار کو شرعی احکام کے مطابق ڈھالتے ہیں اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے جذبے سے کام کرتے ہیں۔

اس اجتماعی رجحان کی بنیاد پر، مثالی معاشرے کی سماجی سرگرمیوں میں شرک پر مبنی محرکات کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، سوائے چند استثنائی حالات کے، جو معاشرے کو اجتماعی عبودیت کے کلی وصف سے خارج نہیں کرتے۔ لہٰذا، مثالی معاشرے میں منتظمین، ملازمین، مزدور، معلّمین، صنعت کار، کسان، تاجر، اور فنکار سب کے سب اپنے کاموں کو اللہ کی رضا کے لیے انجام دیتے ہیں۔ وہ اپنے ہنر، تعلیم، تجارت، اور دیگر سرگرمیوں کو شرعی ضوابط کے مطابق انجام دیتے ہوئے قربت الٰہی کا مقصد حاصل کرتے ہیں۔

یہی وہ صورت ہے جس میں مثالی معاشرہ اپنے مختلف شعبوں میں خالصانہ اجتماعی عبادت بجالاتا ہے اور اللہ کی رضا کو اپنی زندگی کا مرکز بناتا ہے۔

د) شعائر دینی کی تعظیم:

مثالی معاشرے میں دین اور اس کے قانونی مظاہر صرف ذاتی اور داخلی معاملات تک محدود نہیں ہوتے، بلکہ باطنی پاکیزگی اور خلوص کے ساتھ ساتھ دینی رسوم، آداب، اور ظاہری اظہار کی بھی قدر کی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

[ذَٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ) [حج، آیت ۳۲)
"یہ بات ہے کہ جو اللہ کے شعائر کا احترام کرتا ہے، تو یہ دلوں کے تقویٰ کا نتیجہ ہے۔"

شہید مطہری کے مطابق": اسلامی شعائر وہ اعمال ہیں جو اسلام کے ساتھ ہمارے تعلق کی پہچان کراتے

ہیں "(مطہری، پانزدہ گفتار، ص۱۷۶اور ۲۰۱)۔

اس بنیاد پر، دینی رجحانات، تعلقات، اور اعتقادی نظریات کو زندگی کے تمام شعبوں میں جگہ ملنی چاہیے، جیسے معاشرتی آداب و رسوم، بچوں کے نام، افراد کے القاب، لباس، ظاہری شکل و صورت، محافل، شہر کی ساخت، عمارتیں، گلیوں کے نام، اور بورڈز پر درج عبارتیں۔ یہ سب دینی ثقافت کی عکاسی کرتے ہیں (مطہری، پانزدہ گفتار، ص۱۷۹)۔

شعائر کی تعظیم کے دو اہم اثرات ہیں:

الف) مثبت اثر: شعائر کا احترام معاشرے میں دینی ماحول کو فروغ دیتا ہے اور دینی تعلیمات کی بنیاد پر لوگوں کی تربیت کو آسان بناتا ہے۔ یہ دینی ثقافت کی تشکیل کا اہم ذریعہ ہے۔

ب) سلبی اثر: دینی شعائر کا احترام معاشرے کو شرک، ظلم، اور تباہی کے مظاہر سے پاک کرتا ہے۔ مثالی معاشرے کا فرض ہے کہ وہ شہریوں کو عمومی انحرافات، غلطیوں، اور بگاڑ سے محفوظ رکھے (نور، آیت ۵۵)، جو کمال تک پہنچنے کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

دینی شعائر کا احترام اور ان کی تعظیم معاشرے کی پاکیزگی کو یقینی بنانے میں مددگار ہے۔ استاد مصباح یزدی کے مطابق:

"اسلامی معاشرے میں کم از کم یہ ضروری ہے کہ اللہ کی نافرمانی کھلم کھلا نہ کی جائے، یعنی اللہ کے احکام کی مخالفت اور فسق و فجور کا ارتکاب دوسروں کی موجودگی میں نہ ہو" (مصباح یزدی، جامعہ و تاریخ از دیدگاہ قرآن و سنت، ص ۴۱۴)۔

بلاشک و تردید، اس اہم نکتے کی طرف توجہ نہ دینے سے فساد، تباہی، اور عذاب کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے قوم ثمود کے تمدن کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد ایمان و تقویٰ (نمل، آیت ۵۳) اور نیک اعمال کو نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے (ہود، آیت ۶۶)۔ اسی طرح، استکبار (عنکبوت، آیت ۳۹)، حق کو قبول نہ کرنا (سبا، آیت ۱۶)، تکذیب (اعراف، آیات ۷۲ اور ۶۴؛ عنکبوت، آیت ۳۷؛ فرقان، آیت ۳۷؛ انبیاء، آیت ۷۷)، ظلم و ستم (ہود، آیات ۹۴، ۱۰۰، ۱۰۱؛ سبا، آیت ۱۹؛ عنکبوت، آیت ۴۰)، انحراف و بگاڑ (صف، آیت ۵)، اور فساد (اعراف، آیت ۸۶) کو مختلف معاشروں کی تباہی اور بربادی کے اسباب کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اس طرح، مثالی معاشرہ دینی شعائر کے احترام کو اپنی بنیاد بناتا ہے، جو اسے فساد اور تباہی سے محفوظ رکھتا ہے اور اسے کمال و فلاح کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔

نتیجہ:

قرآن کریم ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کے لیے بنیادی اصول اور تعلیمات فراہم کرتا ہے، جو انسانیت کو عدل، امن، اور فلاح کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس معاشرے کی بنیاد توحید پر ہے، جس میں اللہ کی وحدانیت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن نے معاشرے کو نسلی، طبقاتی، یا جغرافیائی بنیادوں پر تقسیم کرنے کے بجائے، اسے "امت واحدہ" کے تصور پر استوار کیا ہے، جو اللہ کے سامنے تسلیم ہونے والے افراد پر مشتمل ہے۔

قرآنی معاشرے کا بنیادی مقصد اللہ کی رضا کو حاصل کرنا اور زمین پر خلافت الٰہی کو قائم کرنا ہے۔ یہ معاشرہ عدل، انصاف، اور اخلاقی اقدار پر مبنی ہے، جس میں ہر فرد اپنے فرائض کو پورا کرتے ہوئے دوسروں کے حقوق کا خیال رکھتا ہے۔ قرآن نے معاشرے کی تشکیل کے لیے توحید، خلافت الٰہی، اور دینی تعلیمات کو بنیاد بنایا ہے۔ توحید پر مبنی دین داری سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر پہلو کو اللہ کی خوشنودی کے مطابق ڈھالے اور شرک سے مکمل پرہیز کرے۔

خلافت الٰہی کا تصور قرآنی معاشرے کی ایک اہم خصوصیت ہے، جس کے تحت انسان اللہ کی صفات کو اپنے اندر اور معاشرے میں نمایاں کرتا ہے۔ یہ معاشرہ اللہ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے عدل، رحمت، اور توازن قائم کرتا ہے۔ دینی تعلیمات معاشرے کے تمام شعبوں کو اللہ کے احکامات کے مطابق تشکیل دیتی ہیں، جو فرد اور معاشرے دونوں کو روحانی، اخلاقی، اور مادی ترقی کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

اجتماعی عبادات، جیسے نماز باجماعت، حج، اور زکوۃ، قرآنی معاشرے کی اہم خصوصیات ہیں۔ یہ عبادات نہ صرف افراد کے درمیان اخوت اور یکجہتی کو مضبوط کرتی ہیں، بلکہ معاشرے کو روحانی اور اخلاقی طور پر بھی مستحکم بناتی ہیں۔ شعائر دینی کی تعظیم بھی قرآنی معاشرے کی ایک نمایاں خصوصیت ہے، جو معاشرے کو فساد اور تباہی سے محفوظ رکھتی ہے۔

خلاصہ کے طور پر، قرآنی مثالی معاشرہ توحید، خلافت الٰہی، دینی تعلیمات، اجتماعی عبادات، اور شعائر دینی کی تعظیم پر مبنی ہے۔ یہ معاشرہ عدل، انصاف، اور اخلاقی اقدار کو فروغ دیتا ہے، جو انسانیت کو حقیقی سعادت اور کمال تک پہنچاتا ہے۔

قرآن کا یہ نمونہ معاشرہ آج کے دور میں بھی ایک عملی راہنما ثابت ہو سکتا ہے، جو عدل، امن، اور اجتماعی فلاح کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

منابع:

قرآن کریم

۱. ابن خلدون، البرھان فی علوم القرآن، مکتبہ اسلامی، ۲۰۱۵، نوبت دوم.

۲. ابن منظور، لسان العرب، الکتب العربی، ۱۹۹۸، نوبت سوم.

۳. ابوالفتوح رازی، روض الجنان وروح الجنان، دار الکتب، ۱۹۹۹، نوبت اول.

۴. احمد علی قانع عزآبادی، علل انحطاط تمدن ہا از دیدگاہ قرآن، مکتبہ علمی، ۲۰۲۱، نوبت اول.

۵. جمعی از محققان، مسائل جامعہ شناسی از دیدگاہ امام علی ع، دار الکتب، ۲۰۱۹، نوبت اول.

۶. جوادی آملی، عبداللہ، تفسیر تسنیم، انتشارات اسراء، ۱۳۸۷، چاپ دوم.

۷. خلیل بن احمد، کتاب العین، دار الکتب، ۲۰۰۰، نوبت اول.

۸. خواجہ نصیر الدین طوسی، اخلاق ناصری، انتشارات اسلامی، ۱۹۹۵، نوبت دوم.

۹. سید بن قطب بن ابراھیم شاذلی، تفسیر فی ضلال القرآن، مکتبہ الحیاۃ، ۲۰۰۴، نوبت اول.

۱۰. سید عبدالحسین طیب، اطیب البیان فی تفسیر القرآن، مکتبہ اسلامی، ۲۰۱۸، نوبت اول.

۱۱. صدر، سید محمد باقر، خلافت انسان در روی زمین، ترجمہ: جمال موسوی، انتشارات اسلامی، ۱۳۷۵، چاپ دوم.

۱۲. طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، ترجمہ: سید محمد باقر موسوی، انتشارات اسلامی، ۱۳۷۴، چاپ پنجم.

۱۳. طبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، مکتبہ اثریہ، ۲۰۱۴، نوبت اول.

۱۴. عمید زنجانی، عباسعلی، حقوق اقلیت ہا در اسلام، انتشارات دانشگاہ تہران، ۱۳۸۵، چاپ سوم.

۱۵. کوئن، بروس، مبانی جامعہ شناسی، ترجمہ ڈاکٹر غلام عباس توسلی، مکتبہ علمی، ۲۰۲۱، نوبت اول.

۱٦. گ. برن و نیم کوف، زمینہ جامعہ شناسی، مکتبہ الحیاۃ، ۲۰۱۷، نوبت اول.

۱۷. مجلسی، علامہ، بحار الانوار، مکتبہ الحیاۃ، ۲۰۰۵، نوبت دوم.

۱۸. مجلسی، علامہ، بحار الانوار، مکتبہ الحیاۃ، ۲۰۰۵، نوبت دوم.

۱۹. محمد بن حبیب اللہ سبزواری، الجدید فی تفسیر القرآن، دار الکتب، ۲۰۲۰، نوبت اول.

۲۰. مصباح یزدی، محمد تقی، جامعہ و تاریخ از دیدگاہ قرآن و سنت، انتشارات مؤسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی، ۱۳۸۹، چاپ چہارم.

۲۱. مصطفوی، حسن، التحقیق فی کلمات القرآن، علمی مرکز، ۲۰۲۱، نوبت اول.

۲۲. مطہری، مرتضی، قیام وانقلاب مہدی ع، انتشارات صدرا، ۲۰۱۲، نوبت اول.

۲۳. مطہری، مرتضی، وحی و نبوت، انتشارات صدرا، ۲۰۱۰، نوبت اول.

۲۴. مطہری، مرتضی، پانزدہ گفتار، انتشارات صدرا، ۱۳٦۸، چاپ ششم.

۲۵. ناصر مکارم شیرازی وہمکاران، پیام قرآن، مکتبہ امام علی، ۲۰۱۲، نوبت دوم.

قرآن اور نہج البلاغہ کی نگاہ میں انسان کامل

عطیہ کاظمی

اشاریہ :

کامل انسان ایک ایسا عنوان ہے جو ایک طویل عرصے سے دلچسپی کا باعث ہے اور نہ صرف مفکرین اور فلسفیوں نے اس وادی میں داخل ہو کر کتابیں لکھی ہیں بلکہ اس نے عام لوگوں کی توجہ بھی حاصل کی ہے جدید دور کا انسان جس ہر چیز کو اپنے قابو میں کر لیا ہے لیکن اپنے آپ کو نہیں سمجھا سکا اور نہ ہی اپنے آپ تک پہنچ سکا اور اس سے انسانی معاشرے کے نفسیاتی مسائل جنم لے رہے ہیں جن کے لیے آج کے انسان نے پھر مذہب کی پناہ مانگی تا کہ ذہنی اور روحانی سکون حاصل ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں انسانی زرخیزی پر تحقیق شروع ہوئی ہے جب ہم گہرا اور تفصیلی جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مکاتب فکر میں انسان کو ایک جہتی مظہر سمجھا جاتا ہے اور انسان کا کمال نفسانی اور مادی خواہشات کی جبلتوں کی تکمیل میں سمجھتا ہے جبکہ اسلام انسان کو خدا کا خلیفہ مانتا ہے اور انسان کو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے اور واضح طور پر بتاتا ہے کہ

یعنی انسان کا کمال انسان کی خصوصیات میں ہے جو ہر کسی کو حاصل ہے اور وہ اس کا پابند ہو سکتا ہے۔ قرآن انسان کے لیے بہترین حجت ہے اور اسی طرح قرآن کو صحیح سمجھنے کے لیے آئمہ معصومین علیہم السلام ہمارے لیے حجت ہیں اس مقالے میں ہم قرآن اور نہج البلاغہ کے نقطہ نظر سے انسان اور اس کی خصوصیات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گئے۔

تحقیق کی روش عرفانی اور فلسفی ہے زیادہ تر قرآن کی آیات اور کلام امام علی علیہ السلام کی روشنی میں انسان کامل کو بیان کیا گیا ہے اور اس کے ذیل میں مفسرین اور دیگر مکاتب فکر کے مفکرین کی آراء کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

کلیدی کلمات : انسان، انسان کامل، نہج البلاغہ، قرآن

مقدمہ

اللہ تعالی نے انسان کو آزاد اور خود مختار پیدا کیا ہے اور اس نے انسان کو تفویض اور امتحان اور درجات دینے کے قابل بنایا ہے اور دوسری مخلوقات میں ایسی قابلیت نہیں ہے۔انسان اپنے اختیار سے کمال تک پہنچ سکتا ہے انسان کا کمال اس کے اختیار میں ہے یعنی بہت سی مختلف صلاحیتوں کا حامل شخص مکمل انسان اس وقت ہوتا ہے جب وہ ایک صلاحیت پر توجہ دیتا ہے اور اپنی دوسری صلاحیتوں کو نظر انداز نہیں کرتا اور ان سب کو ایک ساتھ متوازن اور ہم آہنگی کی صورت میں تیار کرتا ہے وجود کا ہر مرتبہ اور کمال کا ہر درجہ اس کے پست ترین حد سے اعلی رتبہ تک وجود کے ایک درجے سے متعلق ہے اور وہ حق تعالٰی سے تقرب کا اندازہ بتاتا ہے اور ہر مرتبہ کے ماوراء کمالات ہوتے ہیں اور نچلے مراتب بھی بالاتر مراتب رکھتے ہیں لیکن تنزل والی حد میں۔

یہ تحقیق توصیفی۔ تحلیلی اور عرفانی اور فلسفیانہ روش پر مبنی ہے، جس میں زیادہ تر قرآن کی آیات اور کلام امام علی علیہ السلام کی روشنی میں انسان کامل کی وضاحت کی گئی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ، مفسرین کے نظریات اور دیگر مکاتب فکر کے مفکرین کی آراء بھی بیان کی گئی ہیں تاکہ انسان کامل کے تصور کو جامع انداز میں پیش کیا جاسکے۔

اسلامی آیات اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا کمال اختیار کی راہ اور اختیاری اعمال کے علاوہ کسی دوسری راہ سے حاصل نہیں ہوتا۔

اس تحقیق میں اس بارے میں بحث کی گئی ہے کہ قرآن اور نہج البلاغہ میں انسان کامل کیسے بیان ہوا ہے اور انسان کیسے کمال تک پہنچ کیونکہ انسان کامل ہی خلافت الٰہی کا حقدار ہو سکتا ہے۔

تحقیق کی ضرورت واہمیت:

کامل انسان ایک ایسا عنوان ہے جو ایک طویل عرصے سے دلچسپی کا باعث ہے اور نہ صرف مفکرین اور فلسفیوں نے اس وادی میں داخل ہو کر کتابیں لکھی ہیں بلکہ اس نے عام لوگوں کی توجہ بھی حاصل کی ہے جدید دور کا انسان جس ہر چیز کو اپنے قابو میں کر لیا ہے لیکن اپنے آپ کو نہیں سمجھا سکا اور نہ ہی اپنے آپ تک پہنچ سکا اور اس سے انسانی معاشرے کے نفسیاتی مسائل جنم لے رہے ہیں جن کے لیے آج کے انسان نے پھر مذہب کی پناہ مانگی تاکہ ذہنی اور روحانی سکون حاصل ہو سکے۔یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں انسانی زرخیزی پر تحقیق شروع ہوئی ہے جب ہم گہرا اور تفصیلی جائزہ لیتے ہیں

تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مکاتب فکر میں انسان کو ایک جہتی مظہر سمجھا جاتا ہے اور انسان کا کمال نفسانی اور مادی خواہشات کی جبلتوں کی تکمیل میں سمجھتا ہے جبکہ اسلام انسان کو خدا کا خلیفہ مانتا ہے اور انسان کو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے اور واضح طور پر بتاتا ہے کہ

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ "(سورہ حجرات آیہ ۱۳)"

ترجمہ۔بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

یعنی انسان کا کمال انسان کی خصوصیات میں ہے جو ہر کسی کو حاصل ہے اور وہ اس، کا پابند ہو سکتا ہے۔قرآن انسان کے لیے بہترین حجت ہے اور اسی طرح قرآن کو صحیح سمجھنے کے لیے آئمہ معصومین علیہم السلام ہمارے لیے حجت ہیں جب آئمہ معصومین علیہم السلام کی صفات کو بیان کرتے ہیں تو اکثر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ وہ کہاں ہیں اور ہم کہاں ہیں؟ ہمارے موجودہ معاشرے میں اور کچھ لوگ جو علماء ہونے کا دعوی کرتے ہیں اس کو مزید ہوا دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو ان سے دور رکھیں اور ان کو دین کی حقیقی معرفت حاصل کرنے سے روک سکیں۔ان کے لیے پیش کیا گیا ہے تاکہ وہ گمراہی سے نکل کر اہل بیت کی تعلیمات کی روشنی میں کامیاب زندگی حاصل کر سکیں۔اس مقالے میں ہم قرآن اور نہج البلاغہ کے نقطہ نظر سے انسان اور اس کی خصوصیات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گئے۔

انسان کیا ہے؟

مرزبان کریمی اپنی کتاب آدم،انسان،بشر میں انسان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انسان کو آدم علیہ السلام کی مناسبت سے اردو عربی اور فارسی میں آدمی کہا جاتا ہے اور اس کے لیے بشر کا لفظ بھی مستعمل ہے۔آدمی اور بشر کی طرح انسان کا لفظ بھی اردو میں عربی زبان سے آیا ہے اور اپنی اساس انس سے ماخوذ ہے۔اور انسان ہی کے معنوں میں انس بھی استعمال ہوتا ہے اسی لفظ انس سے ناس اور مرکب الفاظ عوام الناس وغیرہ بھی تخلیق کیے جاتے ہیں۔قرآن میں بھی اس نوع حیات کے لیے انسان کے ساتھ ساتھ متعدد الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن میں ایک انس سورہ انعام آیہ ۳۹ میں بھی ہے۔

فَیَوۡمَئِذٍ لَّا یُسۡـَٔلُ عَنۡ ذَنۡۢبِہٖۤ اِنۡسٌ وَّ لَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾سورہ رحمن

پس اس دن کسی اور جان سے اس کا گناہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہو گئ۔

انسان کے لیے اساس بننے والا لفظ انس اپنے الف کے نیچے زیر ہمزہ کا حامل ہے جس کو الف پر پیش کے ساتھ والے انس سے مبہم نا کرنا چاہیے جس کے معنی محبت کے ہوتے ہیں۔

لغت کے اعتبار سے انسان شروع سے ہی آدمی کے معنی میں لیا گیا ہے ایک ایسا آدمی جو دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو ۔(آدم،انسان، بشر، ص ۲۶)

فلسفیوں کے نقطہ نظر سے انسان:

فلسفیوں کی نظر میں انسان ایک ایسا موجود ہے جو بات کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اصل انسان انس سے ہے اس کا معنی الفت ہے ۔کچھ لوگ انسان کو بھولنے سے مشتق سمجھتے ہیں جو کے غلط ہے اگرچہ سورہ طہ آیت ۱۱۵ میں ہے کہ ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا لیکن وہ بھول گئے اور ہم نے ان کے لیے پختہ نہیں پایا۔ وہ بھولا ہوا ہے۔

لیکن انسان کا، فراموش سے اخذ کرنا درست نہیں ہے۔ اخوان الصفاء کہتے ہیں کہ انسان ایک خاص جسم اور ایک خاص روح کا نام ہے ۔اسلیے انسان دو حصوں پر مشتمل ہے روح اور ایک جسم۔ جسم ایک درخت ہے اور روح اس کے پھل کے طور پر ایک جامع وجود ہے جسم گوشت، جلد، اور خون کا مرکب ہے جبکہ روح جوہر بسیط ، ناطق، نورانی کلام ہے اور ایک سمندر ہے ۔فارابی کہتا ہے انسان ظاہر اور باطنی پر مشتمل ہے لیکن اس کی ظاہری شکل ٹھوس جسم ہے جس کے اعضاء وسعت اور راست بازی اس کے ظاہر کرتے ہیں لیکن اس کا اندر یا سر روح کی طاقت ہے۔

فلسفیوں کا کہنا ہے: کہ انسان بولنے والا جانور ہے حیوان ناطق ہے حیوان اس کی جنس ہے اور ناطق اس کی قسم۔

ملا صدرا تین حصوں میں انسان کو تقسیم کرتے ہیں:

انسان حسی، انسان نفسی، انسان عقلی۔

انسان حسی: وہ فطری انسان جس ہم محسوس کرتے ہیں یہ ایک ٹھوس انسان جسم ہے جو تباہی، فساد اور بگاڑ کا شکار ہے۔

انسان نفسی: اس انسان کو انسان برزخی بھی کہتے ہیں۔ جس کا وجود سایہ دار ہے اور وہ ان روحانی قوتوں کا علمبر دار

ہے۔

انسان عقلی: انسان عقلی ایک عقلی آدمی ہے جو ہمیشہ ثابت قدم رہتا ہے انسان کی سچائی حسی ہوتی ہے اور انسانیت کا کمال اس کے وجود پر منحصر ہے (آدم، انسان، بشر ص ۲۹۔۲۷)

قرآن اور نہج البلاغہ میں انسان کامل کا مفہوم

کامل انسان سے مراد وہ انسان ہے جو دوسرے انسانوں کے لیے نمونہ اور ان کے مقابلے میں اعلی و ارفع ہو۔ قرآن اور نہج البلاغہ میں کامل انسان کا نہیں بلکہ کامل مسلمان اور کامل مومن کا ذکر آیا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ کامل مسلمان کے معنی ایک ایسے انسان کے ہیں جو اسلام میں کمال کو پہنچا ہو اور کامل مومن سے مراد وہ انسان جو ایمان کی بدولت کمال کو پہنچا ہو۔

کامل انسان کی اصطلاح اسلامی ادبیات میں ساتویں صدی کے سے استعمال ہونے لگی ہے۔ اس سے پہلے اس کا کوئی وجود نہیں تھا اگرچہ یہ اصطلاح موجودہ معاشرے میں عام ہوگئی ہے تاہم یہ سب سے پہلے دنیائے اسلام میں ظاہر ہوئی تھی وہ پہلا شخص کہ جس نے کامل انسان کی اصطلاح استعمال کی وہ مشہور عارف محی الدین عربی اندلسی طائی تھے۔ انہوں نے خاص عرفانی نقطہ نظر کے ساتھ بیان کیا لیکن اس کے معنی و مفهوم کو بعض قرآنی الفاظ میں تلاش کیا گیا ہے بعض تفسیروں میں خلیفہ اللہ، امام، مطہر، صدیق، صالح، مقرب، مصطفیٰ، رسول، نبی، صاحبین نفس، مجتبی وغیرہ جیسے الفاظ کامل انسان کے مضمون سے متعلق ہیں اور وہ تمام آیات جو انسانی کمالات اور خوبیوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں ان کا تعلق انسان کامل سے ہے۔ (انسان کامل شهید مطهری)

حقیقت انسان۔

انسان زمین پر خلیفہ خدا:

اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ روئے زمین پر ایک مکلّف مخلوق امتحان اور آزمائش کے لیے بھیجی جائے تاکہ دیکھا جائے احسن عمل کا امتیازی نشان کون حاصل کرتا ہے چنانچہ حکمت و رحمت الہی کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی ہدایت اور راہنمائی کا انتظام کیا جائے تاکہ یہ لوگ زمین میں اپنی نیابت اور خلافت کے مستحق ہو جائیں فرمایا:

ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا۔(سورہ بقرہ ۲۹)

عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ "سورہ علق ۵"

اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الۡاَرۡضِ-سورہ لقمان آیہ ۲۰"

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخّر فرمادیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

الحجہ قبل الخلق و مع الخلق و بعد الخلق۔

حجت خدا خلقت سے پہلے خلقت کے ساتھ اور خلقت کے بعد بھی ہے۔ (اصول الکافی ۲۵: ۲)

خداوند متعال فرماتا ہے:

وَ اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً ؕ (سورہ بقرہ ۳۰)

انسان آزاد و خود مختار:

خداوند متعال کی حکمت اور عدل کا تقاضا ہے کہ انسان پر جن کاموں کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے ان میں وہ آزاد اور خود مختار ہو کیونکہ انسان پر ایسے کاموں کی ذمہ داری ڈالنا جو اس کی طاقت اور توان سے باہر ہو غلط ہے جیسا کہ کسی کو ایسے کام کی سزا دینا جس کے ترک کرنے پر وہ قادر نہ ہو یہ سزا دینے کے معاملے میں عدل خداوندی کے ساتھ منافات رکھتا ہے

قرآن کریم میں اس بارے میں خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے کہ:

اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوۡرًا﴿سورہ دھر ۳﴾

ہم نے اسے راستے کی ہدایت کر دی خواہ شکر گزار بنے اور خواہ ناشکرا۔

انسان شکر گزار بنے یا کفران نعمت کرنے والا یہ انسان کے آزاد ہونے کی دلیل ہے۔

انسان خدا کا امانت دار:

انسان اس پوری ہستی میں اللہ کا امین ہے، قرآن میں خدا فرماتا ہے:

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَ حَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا ﴿ۙ۷۲﴾سورہ احزاب

ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو ان سب نے اسے اٹھانے سے انکار کیا اور وہ اس سے ڈر گئے لیکن انسان نے اسے اٹھالیا، انسان یقینا بڑا ظالم اور نادان ہے

کرامت انسان:

قرآن میں انسانی عظمت کو تخلیق کا اصول سمجھا گیا ہے اور وقار انسانی فطرت میں بنا گیا ہے خدا فرماتا ہے

لَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَ حَمَلۡنٰہُمۡ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ رَزَقۡنٰہُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰہُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا﴿٪۷۰﴾سورہ بنی اسرائیل۔

یہ انسان کے بارے میں قرآن کا بنیادی نقطہ نظر ظاہر کرتی ہے اس آیت میں انسان کی تخلیق اور دیگر مخلوقات پر اس کے مراعات کے بارے میں ہے۔ان مراعات میں سے ایک یہ ہے کہ انسان نے دوسری مخلوقات پر عبور حاصل کرلیا ہے اور دوسری مخلوقات پر قبضہ کرلیا ہے مرحوم طبرسی آیت کے مفہوم کے بارے میں فرماتے ہیں: یعنی ہم نے ان کو گفتار، عقل، قوت فہم، خوبصورت چہرہ، مضبوط قد، رزق اور قیامت کی تدبیر، زمین کی ہر چیز پر ان کا غلبہ اور دوسری چیزوں پر قبضہ کرنے سے نوازا ہے۔(الکوثر فی تفسیر القرآن جلد ۴ ص ۵۴۲

زمین کی تمام نعمتیں انسان کے لیے پیدا کیں ہیں:

خداوند متعال نے اپنے خاص لطف وکرم، رحمت و محبت اور عنایت کی بنا پر انسان کو ایسی نعمتوں سے نوازا ہے جن سے اس کائنات میں دوسری مخلوقات یہاں تک کہ کہ مقرب فرشتوں کو بھی نہیں نوازا ہے۔انسان کے کے لیے خدا کی نعمتیں اس طرح ہیں کہ اگر انسان ان کو حکم خدا کے مطابق استعمال کرئے تو اس کے جسم اور روح میں رشد و نمو پیدا ہوتا ہے اور دنیاوی اور اخروی زندگی کی سعادت و کامیابی حاصل ہوتی ہے زمین اور آسمان کے درمیان پائی جانے والی تمام چیزیں کسی نہ کسی صورت میں انسان کی خدمت اور اس کے فائدے کے لیے ہیں چاند، سورج ایک جگہ رکنے والے اور گردش کرنے والے ستارے فضا کی دکھائی دینے اور نہ دینے والی تمام کی تمام چیزیں خداوند عالم کے ارادہ اور حکم سے انسان کو فائدہ پہنچارہی ہیں جیسا کہ خدا فرماتا ہے:

ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا سورہ بقرہ ۲۹"

وہی ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَکُمُ الۡبَحۡرَ لِتَجۡرِیَ الۡفُلۡکُ فِیۡهِ بِاَمۡرِهٖ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿ۚ۱۲﴾سورہ جاثیہ۔

۱۲۔ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور شاید تم شکر کرو۔

اچھائی اور برائی کی تمیز انسان کی فطرت میں:

ارشاد باری تعالی ہے کہ :

فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَ تَقۡوٰىهَا ۪ۙ﴿۸﴾سورہ شمس
پھر اس نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کے لیے سمجھ دی۔

نفس انسانی کو معتدل بنانے کے بعد ماوراء خلقت میں برائی اور اس سے بچنے کا شعور ودیعت فرمایا۔ چنانچہ تمام زندہ موجودات کے تحت الشعور میں اس کی بقاوارتقا سے مربوط تمام باتوں کو تکمیل خلقت کے بعد اس کے ماوراء میں ودیعت فرمایا ہے۔ جسے ہم فطرت کہتے ہیں

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴿۵۰﴾سورہ طہ"
۵۰۔ موسیٰ نے کہا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی پھر ہدایت دی۔ الکوثر فی تفسیر القرآن جلد ٦، ص ۳۵٦۔

انسان کی علمی استعداد دوسری تمام مخلوقات سے زیادہ ہے۔

خداوند متعال کی ایک بہت بڑی نعمت علم و دانش ہے اس نعمت کی وجہ سے انسان کو پوری کائنات پر برتری حاصل ہے اور علم انسان کو فرشتوں اور دوسری مخلوقات سے ممتاز بناتا ہے اور یہ ایسی صفت ہے جسکا تسبیح و تقدیس کی طرح خلیفہ الہی میں پایا جانا لازمی ہے یعنی خلیفہ اللہ کہلانے والی ہستی کیلئے اعلم ترین ہونا ضروری ہے خدا نے کامل انسان کو اپنے لطف و کرم سے حقائق عالم کے ادراک کی استعداد، صفات کمال تک پہنچنے کی طاقت عطا کی اور اس نے آثار و آیات الہی کیساتھ خدا اور کمال الہی کی معرفت اور شناخت حاصل کی اور عبادت اور خودسازی سے کمال حاصل کر کے جب یہ کمال اپنے درجہ

اتم تک پہنچا تو انسان عالم کہلایا اور اس چیز کا حقدار بنا کہ اسے خلافت الٰہی سونپ دی جائے۔

ارشاد ربانی ہے:

عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّہَا ثُمَّ عَرَضَہُمۡ عَلَی الۡمَلٰٓئِکَۃِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ ہٰۤؤُلَآءِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور (اللہ نے) آدم کو تمام نام سکھا دیے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔

قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ﴿۳۲﴾

۳۲۔ فرشتوں نے کہا: تو پاک و منزہ ہے جو کچھ تو نے ہمیں بتا دیا ہے ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ یقینا تو ہی بہتر جاننے والا، حکمت والا ہے۔

قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡہُمۡ بِاَسۡمَآئِہِمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَہُمۡ بِاَسۡمَآئِہِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۙ وَ اَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا کُنۡتُمۡ تَکۡتُمُوۡنَ﴿۳۳﴾

سکونت ارضی کے ارتقائی مراحل سے مراد خلافت الٰہیہ کے فرائض

۳۳۔ (اللہ نے) فرمایا: اے آدم! ان (فرشتوں) کو ان کے نام بتلا دو، پس جب آدم نے انہیں ان کے نام بتا دیے تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہوں نیز جس چیز کا تم اظہار کرتے ہو اور جو کچھ تم پوشیدہ رکھتے ہو، وہ سب جانتا ہوں۔ سورہ بقرہ آیت ۳۱۔ ۳۳

"کتاب انسان قرآن کی نظر میں، شہید مرتضٰی مطھری

انسان ایک برگزیدہ مخلوق:

ثُمَّ اجۡتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیۡہِ وَ ہَدٰی﴿۱۲۲﴾ سورہ طہٰ

۱۲۲۔ پھر ان کے رب نے انہیں برگزیدہ کیا اور ان کی توبہ قبول کی اور ہدایت دی۔

قرآن مجید انسان کے ایک برگزیدہ شخصیت ہونے کے بارے میں گفتگو کرتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ تو ایک ایسے اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں ہے جو کسی امر کے واقع ہونے (مثلاً ایٹموں کے اتفاقی طور پر جمع ہو جانے) سے وجود میں آیا ہو بلکہ تو ایک برگزیدہ اور منتخب ہستی ہے۔ (کتاب انسان قرآن کی نظر میں ص ۳۴۔۳۵)

قرآن میں انسان کی خلقت کا مبداء اور تکامل کے مراحل :

انسان کی تخلیق کے حوالے قرآنی آیات میں بعض پہلوؤں سے اختلاف (سے مراد وہ سمت ہے جس کا ذکر دوسری آیت میں نہیں ہے) کتاب انسان در اسلام میں غلام حسین گرامی اور آدم ،انسان، بشر میں مرزبان کریمی انسان کی تخلیق کے حوالے سے آیات کو اس طرح تقسیم کرتے ہیں۔

قرآن میں انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل بیان ہوئے ہیں۔یہ آیات چار اقسام میں تقسیم ہیں۔

اول انسان کی خلقت اور نسل انسانی کی ابتداء :

وہ آیات جو گارے مٹی سے انسان کی تخلیق کا ذکر کرتی ہیں اور ان کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

آیات کا پہلا گروہ جو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے مختص ہے جیسے قرآن مجید فرماتا ہے کہ

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۚ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴿۵۹﴾

۵۹۔ بیشک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اس نے پہلے اسے مٹی سے خلق کیا، پھر اسے حکم دیا: ہو جا اور وہ ہو گیا۔

حضرت عیسیٰ کی خلقت کی جو کیفیت ہے وہ بطور مستقل ہے حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت اور وجود کی نسبت سے ان دونوں کا وجود اور خلقت کا آپس میں مقائسہ کرتا ہے اور اس بات کی تصریح کرتا ہے کہ آدم کا وجود بطور مستقل مٹی سے ہے۔قرآن مجید نہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ماں باپ کے وجود کا قائل نہیں ہے اور نہ دوسرے موجودات زندہ سے تکامل یافتہ سمجھتا ہے۔آیہ کریمہ "بداء خلق الانسان من طین" سورہ سجدہ آیہ ۷ "

ابتدا انسان کی تخلیق مٹی سے شروع کی۔

علامہ طباطبائی فرماتے ہیں کہ انسان سے مراد نوع انسان ہے جو آدم اور اس سے نیچے تمام انسانوں کو شامل ہے اور خلق سے مراد خلقت ابتدائی ہے جو حضرت آدم کی ہوئی۔(انسان در اسلام غلام حسین گرامی ص ۴۷۔۴۹)

آیات جو پانی کو انسانی تخلیق کا ذریعہ سمجھتی ہے :

وَ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّ صِہۡرًا ؕ وَ کَانَ رَبُّکَ قَدِیۡرًا ﴿۵۴﴾سورہ فرقان ۵۴ ۵۴۔ اور وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا پھر اس کو نسب اور سسرال بنایا اور آپ کا رب بڑی طاقت والا ہے۔

نطفہ سے انسان کی خلقت اور نسل انسانی کی بقاء:

اس نے انسان کو ایک بوند سے پیدا کیا"

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ سورہ نحل آیہ ۴۔

اَوَ لَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ "سورہ یاسین آیہ ۷۷

مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ؕ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ ﴿ۙ۱۹﴾سورہ عبس

اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ اَمۡشَاجٍ سورہ دھر ۲۔

دوسرا گروہ وہ آیات ہیں جن میں نطفہ سے پہلے مٹی سے پیدا ہونے کا ذکر ہے جیسے:

فَاِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ سورہ حج آیہ ۵۔

ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے۔

ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ سورہ مومن آیہ ۶۷

ان آیات میں دو امکانات نظر آتے ہیں کہ ہر انسان پہلے مٹی سے بنایا گیا پھر مٹی خوراک میں بدلتی ہے اس کے بعد نطفہ بنتی ہے۔

آغا محسن نجفی نے بلاغ القرآن میں سورہ حج کی آیہ ۵ کے حاشیے میں اس کو بیان کیا ہے کہ خدا نے جب پہلی بار انسان کو مٹی سے خلق فرمایا تو اس میں منتشر عناصر کو ایک جگہ جمع کیا چنانچہ مٹی کے یہ عناصر کرہ ارض کے گوشہ و کنار سے سمٹ کر انسان کی غذا بن گئے گندم کسی علاقے سے، پھل کسی علاقے سے، گوشت کسی علاقے سے پانی پہاڑوں کی چوٹیوں سے غرض یہ بکھرے ہوئے عناصر سمٹ کر انسان کے دستر خوان پر آئے جن سے انسانی تخلیق کے لیے مواد فراہم ہوا۔ غذا، نطفہ، لوتھڑا، گوشت کی بوٹی پھر ایک کامل انسان۔ (بلاغ القرآن سورہ حج آیہ ۵ مفسر قرآن آغا شیخ محسن نجفی)

وہ آیات جو حضرت آدم علیہ السلام کو نسل انسانی کا باپ ذکر کرتی ہیں:

ارشاد ہے:

وہی تو ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا" سورہ اعراف ۱۸۹"

ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ جَعَلَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا ۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ کَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَیۡکُمۡ مِّنَ الۡجَنَّۃِ۔(سورہ اعراف ۲۷)

انسانی کمالات اور کامل انسان:

کمال کا مفہوم:

لغت میں" کمال "تام اور تمام " کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اصطلاح میں ایسی وصف کی طرف اشارہ ہے جو اوصاف وجودی کی انتہا تک پہنچ جائے۔ دوسرے لفظوں میں کمال ایک وجودی صفت ہے جو ہر چیز کی تخلیق کے مقصد کے مطابق سمجھی جاتی ہے۔ لہٰذا کسی بھی چیز کی تکمیلیت کو خاص طور پر بیان ہوا جانا چاہئے۔ ایک کامل انسان ایک کامل جانور اور کامل فرشتہ اور اس جیسے سے مختلف ہے۔ یہ لفظ کئی آیات میں استعمال ہوا کوئی۔ قرآن میں کمال انسانی کسی اور معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے "کمال دین " (مائدہ ۳) اولاد کو دو سال دودھ پلانا (بقرہ ۲۳۳) دس دن کامل روزہ رکھیں (بقرہ ۱۸۵) اور قیامت کے دن اپنے گناہ کے مکمل بوجھ کو دیکھنا (نحل ۲۵) ان معنوں میں استعمال ہوا ہے (انسان از دیدگاہ اسلام، ابراہیم نیک صفت۔ ص ۲۵۷۔۲۵۸)

قرآن کے نقطہ نظر سے انسان کا کمال:

ہر موجود کا کمال دوسرے موجود کے کمال سے مختلف ہے مثلاً کامل انسان کامل فرشتہ سے مختلف ہے اگر ایک فرشتہ اپنے فرشتہ ہونے میں کمال کی ممکن اعلیٰ اور آخری حد تک پہنچ جائے تو وہ اس سے مختلف ہو گا کہ ایک انسان اپنے انسان ہونے میں کمال کی آخری حد تک پہنچ جائے۔ کیونکہ وہی ہستیاں جنہوں نے ہمیں بتایا کہ فرشتے وہ موجودات ہیں جو عقل محض، اندیشہ محض، اور فکر محض سے پیدا کیے گئے ہیں یعنی ان میں خاکی، مادی، شہوانی، غضبی وغیرہ کی کیفیات نہیں ہیں۔ ایسے ہی حیوانات ہیں کہ وہ محض خاکی ہیں اور جس چیز کو قرآن مجید روح خدائی کہہ کر متعارف کراتا ہے وہ اس سے بے بہرہ ہیں۔

بس انسان ہی ایک ایسا موجود ہے جو ان اوصاف سے مرکب ہے۔ علوی جو فرشتوں اور خاکیوں میں وجود رکھتے ہیں

انسان ایک ایسا موجود ہے جو ملکوتی بھی ہے اور ملکی بھی۔۔۔۔۔۔علوی بھی ہے اور سفلی بھی ہے۔یہ تعبیر ایک حدیث سے ماخوذ ہے جو اصول کافی میں آئی ہے۔

بے شک خدا نے فرشتوں کو عقل دی اور شہوت نہیں دی حیوانوں کو شہوت دی اور عقل نہیں دی اور انسانوں کو عقل و شہوت دونوں دی ہیں پس جس انسان کی عقل اس کی شہوت پر غالب ہو وہ فرشتے سے بہتر اور جس انسان کی شہوت اس کی عقل پر غالب ہو وہ حیوان سے بدتر (علل الشرائع باب ٦ ص ۴ الوسائل جلد ١١ ص ١٦۴)

قرآن میں ارشاد ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (سورہ ددھر ٣)

ہم نے انسان کو ایک نطفے سے پیدا کیا ہے جس میں (آجکل کی اصطلاح کے مطابق) بہت سے اجزاء ملے ہوئے ہیں۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں بہت زیادہ صلاحیتیں ہیں اور وہ اس مرحلے میں پہنچ چکا ہے کہ ہم اسے آزما کر دیکھیں۔یعنی وہ مرکب نطفہ انسان کی شکل میں اس کمال کی اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ ہم نے اسے آزاد مختار اور ذمہ داری اٹھانے والا بنایا ہے پھر اس کی اسی صلاحیت کی بدولت اسے امتحان اور آزمائش میں ڈالا ہے اور سزا و جزا کے قابل ٹھہرایا ہے لیکن دوسری مخلوقات میں یہ صلاحیت نہیں ہے۔

کامل انسان کا کمال اس کے تبادلے اور توازن میں ہے یعنی ان میں مختلف استعدادوں میں تعادل اور توازن جو اس میں موجود ہیں ایک انسان اس وقت کامل بنتا ہے جب اس کا جھکاؤ فقط ایک استعداد کی جانب نہ ہو اور دوسری استعدادوں کی طرف سے غفلت نہ کرئے بلکہ اس کے اندر جتنی صلاحیتیں اور استعدادیں ہوں وہ ان سب کو ترقی دے یعنی ان میں تعادل اور توازن قائم رکھے۔

کامل انسان وہ ہے جس کی تمام انسانی قدریں اکٹھی بڑھیں اور ان میں سے کوئی ایسی نہ ہو جو بڑھنے سے رہ جائے یعنی وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر بڑھیں اور بڑھ کر اعلی درجے تک پہنچ جائیں جب ایسا ہو جائے تو وہ انسان کامل ہو جاتا ہے اور یہ وہی شخص ہے جسے قرآن مجید امام سے تعبیر کرتا ہے (انسان کامل، شھید مطھری، ص ٣٦۔۴١)

کامل انسان کی مثال

ایک کامل انسان کی کسی بھی زمانے میں کوئی مثال نہیں ہے اور وہ شخص ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان ثالث ہے

اور زمین پر خدا کا خلیفہ اور جانشین ہے یہ بلند پایہ شخصیت کوئی اور نہیں بلکہ آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں جو تمام لوگوں کے رہبر ہیں۔ بلاشبہ جب بھی کامل انسان کا ذکر مطلقا کیا جاتا ہے تو اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں جو ابتداء سے لیکر آخری تک تمام انسانوں کے لیے بہترین مخلوق اور نمونہ ہیں۔ لیکن ایک کامل انسان کے تصور میں نہ صرف پیغمبر اکرم ص بلکہ ان کے اہل بیت بھی شامل ہیں۔ لہٰذا اس وقت کامل انسان حضرت حجت بن الحسن (ع) ہیں۔ (مقالہ کمال انسان وانسان کامل، دکتر علی نقی امیری۔

انسان کامل کی خصوصیات:

نہج البلاغہ انسان بننے کا نسخہ ہے اس میں امام کا ایک خطبہ ہے جو امام علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی ہمام جو بہت عبادت گزار تھے کے سوالکے جواب میں دیا جو کامل انسان کی صفات کو بیان کرتا ہے۔ وہ صفات یہ ہیں

محرمات سے دوری:

امام علی علیہ السلام پرہیزگاروں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے انہوں نے آنکھیں بند کرلیں اور فائدہ مند علم پر کان دھر لیے ہیں۔

"غضوا ابصارهم عما حرم الله عليهم ووقفوا اسماعهم على العلم النافع لهم"

تسلیم ورضا:

امام پرہیزگاروں کی ایک اور صفت کو جو کہ تسلیم ورضا کی صفت ہے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:نزلت أنفسهم منهم فى البلاء كالتى نزلت فى الرخاء
ان کے نفس زحمت اور تکالیف میں بھی ویسے ہی رہتے ہیں جیسے آرام وآسائش میں۔

وہ نعمت کے وقت مست و مغرور نہیں ہوتے اور مصیبت اور بلاؤں میں بے تابی اور بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتے وہ ہر حال میں خدا کی رضا میں راضی اور اس کے مقابل سراپا تسلیم ہیں۔

ایمان قوی:

امام علیہ السلام درج بالا اوصاف کو ذکر کرنے کے بعد ایک اور صفت کا ذکر کرتے ہیں جو کہ ایمان قوی اور اللہ کے وعدے پر ان کے اطمینان کی علامت ہے۔آپ علیہ السلام فرماتے

ہیں: ولولا لا اجل الذی کتب اللہ علیھم لم تستقر اروحھم فی اجسادھم طرقۃعین شوقا الی الثواب و خوفا من العقاب ۔

اگر زندگی کی مقررہ مدت نہ ہوتی جو اللہ نے ان کے لیے لکھ دی ہے تو ثواب کے شوق اور عتاب کے خوف سے ان کی روحیں ان کے جسموں میں چشم زدن کے لیے بھی نہ ٹھہری

معرفت خدا:

اس کے بعد امام علیہ السلام پرہیزگاروں کی ایک اور نمایاں صفت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عظم الخالق في انفسهم فصغر مادونه في اعينهم۔

خالق کی عظمت ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے جس کی وجہ اس کے ماسوا ہر چیز ان کی نظروں میں ذلیل وخوار ہے۔

جس قدر انسان کی خدا کی نسبت معرفت زیادہ ہو اسے اللہ کے سوا ہر چیز حقیر نظر آتی ہے اور وہ ان حقیر چیزوں سے دل نہیں لگاتا اور ان کی خاطر گناہ بھی نہیں کرتا۔

کامل یقین:

اس کے بعد امام علیہ السلام ایک اور نمایاں صفت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔جو کہ پرہیزگاروں کے حق الیقین کا مقام ہے آپ علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں۔

فهم والجنةكمن قدراها فهم فيها منعمون و هم والنار كمن قدراها فهم فيها معذبون۔

ان کو جنت کا ایسا ہی یقین ہے جیسے کسی کو آنکھوں دیکھی چیز کا ہوتا ہے تو گویا وہ اس وقت جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہیں اور دوزخ کا ایسا ہی یقین ہے جیسے کہ وہ دیکھ رہے ہیں تو انہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہاں کا عذاب ان کے گرد و پیش موجود ہے۔

صبر و بردباری:

امام فرماتے ہیں۔ صبروا ایام قصیرۃ اعبتھم راحہ طویلۃ تجارۃ مربحہ لیسدھا پسرھا یسرھا لھم ربھم:

انہوں نے چند مختصر سے دنوں کی تکلیفوں پر صبر کیا،جس کے نتیجے میں دائمی آسائش حاصل کی یہ ایک فائدہ مند تجارت ہے جو اللہ نے ان کے لیے مہیا کی۔

رزق حلال کی طلب:

"طلبا فی حلال" کے جملے سے پتا چلتا ہے کہ پرہیزگار افراد تنہائی پسند اور زندگی کی سرگرمیوں سے لاتعلق اور بیگانہ نہیں ہیں بلکہ اپنے معاش اسلامی معاشرے کی ترقی کے جدوجہد ان کے اصل معمولات کا حصہ ہے فرق یہاں پر ہے کہ دنیاپرست حلال اور حرام میں فرق نہیں دیکھتے جب کہ وہ ہمیشہ حلال کے خواہاں ہیں۔اور اگر کوئی بہت ہی زیادہ نفع بخش کام ہو لیکن اس سے حرام کی بو آتی ہے تو وہ اس سے گریز کرتے ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ایک بہت میں آیا ہے

العبادۃ سبعون جزاء افضلہا طلب الحلال (الکافی جلد ۵ ص ۷۸)

عبادت کے ستر اجزاء ملے جن میں سے سب سے افضل رزق حلال کی کھوج میں رہنا ہے"

لالچ سے دوری۔

"تحرجا عن طمع" کے جملے میں مقصود یہ ہے کہ پرہیزگار لالچ سے مکمل طور پر دور ہیں۔ جیسا کہ مولا علی علیہ السلام کلمات قصار میں فرماتے ہیں: الطمع رق موبد" (نہج البلاغہ کلمات قصار ۱۸۰)

لالچ ہمیشہ کی غلامی ہے۔

تزکیہ نفس:

امام علیہ السلام فرماتے ہیں: ان استصعبت ہ علیہ نفسہ فیما تکرہ لم یعطھا سولھا فیما تحب "

اگر اس کا نفس کسی ناگوار صورت حال کو برداشت کرنے سے انکار کرتا ہے تو وہ اس کی من مانی خواہش کو پورا نہیں کرتا۔"

دنیا سے لاتعلّقی اور آخرت پر نظر:

قرۃعینۃ فیما لا یزول و زھادتہ فیما لا یبقی یمزج الحلم بالعلم والقول بالعمل۔

جاودانی نعمتوں میں اس کے لیے آنکھوں کا سرور ہے اور دار فانی کی چیزوں سے لاتعلّقی و بیزاری ہے۔اس نے علم میں حلم اور قول میں عمل کو سمو دیا ہے۔

دوسروں کو نقصان نہ پہنچانا:

امام علیہ السلام ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

الخیر منہ ماحول و الشر منہ مامون۔
ان سے بھلائی کی توقع کی ہو سکتی ہے اور اس سے گزند کا کوئی اندیشہ نہیں۔

در گزر کرنا:

"یعفو عمن ظلمہ " امام فرماتے ہیں جو اس پر ظلم کرتا ہے اس سے در گزر کر جاتا ہے۔

قطع تعلّق سے اجتناب:

"یصل منقطہ "جو اس سے قطع تعلق کرتا ہے یہ اس سے بنائے رکھتے ہیں۔

عدل وانصاف:

لا یحیف علی من یبغض و لا یا ثم فیمن یحب یعترف بالحق قبل ان یشھد علیہ : اگر کوئی اس سے عداوت رکھے تو اس کے خلاف بے جا زیادتی نہیں کرتا اور وہ جس کا دوست ہو اس کی خاطربھی کوئی گناہ نہیں کرتا "

ان صفات کا سر چشمہ پرہیز گاروں کے اندر موجود حق اور عدالت خواہی کی روح ہے۔ عادل وہ ہے جو دشمن کو بھی اس کے حق سے محروم نہیں کرے۔

امانت داری:

امام علیہ السلام ان کی ایک اور صفت کو بیان کرتے ہیں۔

"لا یضیع ما استحفظ "امانت کو ضائع اور برباد نہیں کرتا "۔

اس جملے میں ایک وسیع مفہوم ہے جس میں اللہ اور حقوق سب کی امانتیں شامل ہیں۔ جیسے نماز جس کے بارے سلام قرآن مجید میں ہے۔

الذین ھم عن صلوتھم یحافظون""(سورہ مومنون آیہ ۹)(مومنین)اپنی نمازوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔(ریا اور ہر اس چیز سے جونماز کی درستگی اور قبولیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔

اجتماعی حقوق اور انسانیت کا احترام:

اس کے بعد مولاان کی دوسری صفات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ہمسایوں کو اذیت نہ دینا، مصیبت زدوں کا مزاق نہ اڑانا، اور تمام پہلوؤں میں اجتماعی حقوق اور انسانیت کا احترام کرتے ہیں۔ (کلام امیر المومنین شرح نہج البلاغہ مکارم شیرازی مترجم سید شہنشاہ حسین نقوی

حوالہ جات:

۱. امیری، علی نقی دکتر، (۱۳۹۶ش) مقالہ کمال انسان وانسان کامل، پرتال امام خمینی۔

۲. سید محمد اختران، سید کاظمی خلخالی، رحیم جاوش اکبری (۱۳۷۱) گنجینہ ھای دانش، نشر۔

۳. شریف، سید رضی، (۲۰۰۳) نہج البلاغہ (ترجمہ و حواشی، مفتی حسین جعفر)، المعراج کمپنی لاہور پاکستان۔

۴. شیرازی، مکارم، ناصر، اور دیگر علماء و دانشور،)۲۰۱۶ء (کلام امیر المومنین شرح نہج البلاغہ) مترجم سید شہنشاہ حسین نقوی (مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان۔

۵. علی نجفی، محسن (۲۰۱۶) تفسیر الکوثر جلد ۷ ص ۱۳۵، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

۶. کریمی، مرزبان (۱۳۳۵ش) آدم، انسان، بشر، تھران، سازمان او قاف و امور خیریہ انتشارات اسوہ ۱۳۹۶

۷. گرامی، حسین غلام، ۱۳۹۴ش) دفتر نشر معارف قم ایران۔

۸. مطھری، مرتضٰی شھید، (۲۰۱۴) انسان قرآن کی نظر میں، معراج کمپنی لاہور۔

۹. مطھری، مرتضٰی شھید (۲۰۰۸) انسان کامل (مترجم محمد فضل حق) جامعہ تعلیمات اسلامی کراچی۔

۱۰. نیک صفت، ابراہیم، مقالہ انسان از دیدگاہ اسلام، ناشر دانشگاہ پیام نور جمہوری اسلامی ایران۔

سوشل میڈیا: قرآن کی روشنی میں نعمت یا آزمائش

حرا بتول نقوی

اشاریہ:

دور حاضر میں سوشل میڈیا جسے سماجی ذرائع ابلاغ بھی کہا جاسکتا ہے ایک ایسا طاقتور ذریعہ بن چکا ہے جس نے انسانی زندگی کے ہر پہلو پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ معلومات کے فوری تبادلے، سماجی روابط اور علمی ترقی کے لیے یہ ایک نعمت ثابت ہوا ہے، لیکن دوسری جانب یہ کئی معاشرتی اور اخلاقی برائیوں کا سبب بھی بن رہا ہے۔

اسلام، جو زندگی کے ہر پہلو کے لیے جامع ہدایات فراہم کرتا ہے، ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہر چیز کے درست اور غلط استعمالات ممکن ہیں، جیسے خدا نے انسان کو عقل عطا کر کے دونوں راستے انسان کے سامنے رکھ دیئے ہیں، بلکل اسی طرح جدید ماہرین نے سوشل میڈیا ایجاد کر کے جہاں آسانیاں فراہم کی ہیں، وہیں انسان کے گلے پر ایک دو دھاری تلوار بھی لٹکا دی ہے، اب انسان پر منحصر ہے کہ وہ سوشل میڈیا کا مثبت استعمال کر کے دین کی ترویج کر کے اسے شیطان کے خلاف استعمال کرتا ہے یا خود کو شیطان کے حوالے کرتا ہے۔

قرآن مجید میں ہمیں ہر معاملے میں اعتدال اور حکمت اختیار کرنے کی تلقین کی ہے: ا''إِنَّ هَٰذَا الْقُرْءَانَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ'' ترجمہ: "بے شک، یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔" سورہ اسراء ۱۷:۹

اس مقالے میں قرآن کی روشنی میں سوشل میڈیا کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے تاکہ یہ سمجھا جاسکے کہ آیا یہ واقعی ایک نعمت ہے یا آزمائش۔ کیا ہم اسے دین اور دنیا میں بہتری کا ذریعہ بنا رہے ہیں یا یہ ہمارے لیے خسارے کا سبب بن رہا ہے قرآن مجید کی ہدایات کے مطابق سوشل میڈیا کے صحیح اصول کیا ہونے چاہیں؟

کلیدی الفاظ: سوشل میڈی۔ قرآن و اہل بیتؑ۔ نعمت اور آزمائش دینی و دنیاوی فوائد

اسلامی تعلیمات

مقدمہ: جدید دنیا کی برق رفتاری نے ابلاغ کے ذرائع کو نہایت موثر اور وسیع بنا دیا ہے اور سوشل میڈیا اس کی ترقی کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ جہاں یہ خیالات کے تبادلے اور معلومات کے پھیلاو کا ذریعہ بن رہا ہے وہیں کئی معاشرتی اور اخلاقی چیلنجز کو بھی جنم دے رہا ہے۔ تاہم اس کے مثبت اور منفی اثرات کے پیش نظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ ہمارے لیے ایک نعمت ہے یا آزمائش؟ یہ مقالہ قرآن واہل بیت ؑ کی تعلیمات کی روشنی میں سوشل میڈیا کے منفی اور مثبت پہلوؤں کا ایک تجزیہ کرے گا، تاکہ واضح ہو کہ آیا یہ ایک نعمت ہے یا آزمائش جس میں ہماری حکمت، صبر اور اخلاق کا امتحان لیا جا رہا ہے۔

سوشل میڈیا کا تعرف اور اہمیت: سوشل میڈیا کا آغاز ابتدائی انٹرنیٹ فورمز اور چیٹ رومز سے ہوا، مگر 2000ء کے بعد اس نے باقاعدہ ایک صنعت کی شکل اختیار کر لی۔ آج یہ ذرائع ابلاغ اور علمی مواصلات کے لیے سب سے موثر وسائل میں شمار ہوتا ہے۔

۲: سوشل میڈیا کے ارتقائی مراحل

ابتدائی دور: (1960 – 1999)

پہلا کمپیوٹر نیٹ ورک 1960ء میں ARPANET کے نام سے بنایا، جو بعد میں انٹرنیٹ کی بنیاد بنا۔

1979: دنیا کا پہلا آنلائن فورم BULLETIN BOARD SYSTEM (BBS) کے نام سے لاونچ کیا گیا، جہاں صارفین پیغامات کا تبادلہ کر سکتے تھے۔

۱۹۸۵: (AOL) (AMERICA ONLINE) اور COMPUSERVE جیسے پلیٹ فارمز متعارف ہوئے، جو ابتدائی سوشل نیٹ ورکنگ کی بنیاد سمجھے جاتے ہیں

2-جدید سوشل میڈیا کا آغاز (۲۰۰۰-۲۰۱۰)

2003: LINKEDIN کی بنیاد رکھی گئی، جو پیشہ ورانہ نیٹ ورکنگ کے لیے پہلی بڑی ویب سائٹ بنی۔

FACEBOOK :2004 لانچ کیا گیا، جو آج دنیا کا سب سے بڑا سوشل میڈیا پلیٹ فارم ہے۔ اس کے بانی مارک زکربرگ ہیں۔

YOUTUBE :2005 متعارف ہوا، جس نے ویڈیو شیئرنگ کو ایک نیا رخ دیا۔

TWITTER :2006 لانچ ہوا، جو مختصر پیغامات (TWEETS) کا ایک منفرد پلیٹ فارم تھا۔

INSTAGRAM :2010 لانچ ہوا، جس نے بصری مواد کی شیئرنگ کو مقبول بنایا۔

. موجودہ دور (۲۰۱۱-۲۰۲۴)

SNAPCHAT :۲۰۱۱ متعارف ہوا، جو عارضی پیغامات اور ویڈیوز پر مبنی تھا۔

TIKTOK:۲۰۱۶ نے دنیا بھر میں مقبولیت حاصل کی، جس نے مختصر ویڈیوز کو ٹرینڈ بنایا۔

سوشل میڈیا کی اہمیت

ا۔ معلومات کی تیز تر رسائی

سوشل میڈیا نے دنیا کو ایک گلوبل ولیج میں تبدیل کر دیا ہے، جہاں معلومات تک رسائی تیز اور آسان ہو گئی ہے۔ مختلف موضوعات پر تازہ ترین خبریں، تعلیمی مواد، اور معلوماتی ویڈیوز سوشل میڈیا کے ذریعے بآسانی حاصل کی جا سکتی ہیں۔

۲. سماجی روابط میں بہتری

سوشل میڈیا پلیٹ فارمز جیسے فیس بک، ٹوئٹر، اور واٹس ایپ نے لوگوں کو اپنے دوستوں، خاندان، اور پیشہ ورانہ حلقوں سے جڑے رہنے میں مدد دی ہے۔ یہ پلیٹ فارمز دور دراز کے لوگوں سے رابطے میں رہنے اور نئے تعلقات قائم کرنے کا ذریعہ بنے ہیں۔

۳. تعلیمی اور کاروباری مواقع

سوشل میڈیا نے تعلیمی میدان میں آن لائن کلاسز، ویبینارز، اور معلوماتی گروپس کے ذریعے سیکھنے کے نئے مواقع فراہم کیے ہیں۔ اسی طرح، کاروباری ادارے اپنی مصنوعات اور خدمات کی تشہیر کے لیے سوشل میڈیا کا مؤثر استعمال کر رہے ہیں۔

۴. سیاسی اور سماجی اثرات

سوشل میڈیا سیاست پر بھی گہرا اثر رکھتا ہے۔ انتخابی مہمات، عوامی رائے عامہ کا جائزہ، اور حکومتوں کی کارکردگی پر عوامی تبصرے سب کچھ سوشل میڈیا کے ذریعے ممکن ہو چکا ہے۔

۵. تفریح کا ذریعہ

سوشل میڈیا مختلف قسم کے تفریحی مواد جیسے کہ ویڈیوز، میمز، گیمز، اور لائیو اسٹریمز کے ذریعے لوگوں کو مصروف اور محظوظ رکھتا ہے۔

قرآن کی روشنی میں نعمت اور آزمائش کا مفہوم

قرآن کریم میں نعمت اور آزمائش دو ایسے تصورات ہیں جو انسانی زندگی کے ہر پہلو سے جڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، لیکن بعض اوقات یہی نعمتیں آزمائش بھی بن جاتی ہیں۔ اسی طرح، مشکلات اور تکالیف بھی آزمائش کے طور پر آتی ہیں تاکہ انسان کی صبر، شکر، اور ایمان کی آزمائش ہو سکے۔

. نعمت کا مفہوم قرآن کی روشنی میں

نعمت کا مطلب کسی بھی ایسی چیز سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا کی گئی ہو، چاہے وہ مادی ہو یا روحانی۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَإِن تَعُدُّواْ نِعۡمَتَ ٱللَّهِ لَا تُحۡصُوهَآۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَغَفُورٞ رَّحِيمٞ ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ ۴) ''سورۃ النحل: ۱۸(

:اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا ممکن نہیں، اس لیے ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

چند اہم نعمتیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے:

(زندگی اور صحت) —سورۃالملک: ۲۳

(مال و دولت) —سورۃالنساء: ۳۲

(اولاد اور خاندان) —سورۃالشوریٰ: ۴۹-۵۰

(ہدایت اور ایمان) —سورۃالحجرات: ۷

بارش، زمین، اور پیداوار) —سورۃالنحل: ۱۰-۱۱

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ "اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا، اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔"۵) سورۃ ابراہیم: ۷(

آزمائش کا مفہوم قرآن کی روشنی میں

قرآن کریم میں آزمائش (بَلاء) کا تصور انسان کی زندگی کے امتحان کے طور پر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں سے آزماتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ بندہ صبر و استقامت اختیار کرتا ہے یا نہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ "اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے، کچھ خوف، بھوک اور مال و جان اور پھلوں کی کمی سے۔ اور (اے نبی) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔"٦ سورۃالبقرہ: ۱۵۵

زندگی میں آنے والی مشکلات اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہیں، جن پر صبر کرنے والے کامیاب ہوتے ہیں۔

قرآن میں آزمائش کی اقسام:

(مال و دولت کی آزمائش) —سورۃالفجر: ۱۵-۱۶

(غربت اور بھوک کی آزمائش) —سورۃالبقرہ: ۱۵۵

(جان اور صحت کی آزمائش) —سورۃ الانبیاء: ۳۵

(اقتدار اور طاقت کی آزمائش) —سورۃ البقرہ: ۲۴۷

(گناہوں اور فتنوں کی آزمائش) —سورۃ العنکبوت: ۲-۳

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں": اَحَسِبَ النَّاسُ اَن يُّتْرَكُوْٓا اَن يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ" "کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ صرف یہ کہنے سے چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے، اور ان کی آزمائش نہیں ہو گی؟"۷ سورۃ العنکبوت: (۲:۲۹)

ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو لازمی طور پر آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے تاکہ ان کے ایمان کی حقیقت واضح ہو۔

آزمائش اور نعمت میں فرق:

آزمائش	نعمت
اللہ کی طرف سے امتحان	**اللہ کی طرف سے عطا کردہ رحمت**
صبر کرنے پر نجات ملتی ہے	**شکر کرنے پر بڑھتی ہے**
بے صبری کرنے پر خسارہ ہوتا ہے	**ناشکری کرنے پر چھین لی جاتی ہے**
صبر کرنے والے کے لیے جنت کا وعدہ ہے	**دنیا اور آخرت میں فائدہ دیتی ہے**

اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ یقیناً تمہارا مال اور تمہاری اولاد (بھی) ایک آزمائش ہیں، اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔"۸ سورۃ التغابن: ۱۵

بعض اوقات نعمتیں بھی آزمائش بن جاتی ہیں، جیسے مال، اولاد، اور اقتدار۔

۴. صبر اور شکر کی حکمت

قرآن ہمیں سکھاتا ہے کہ جب نعمت ملے تو شکر کرنا چاہیے، اور جب آزمائش آئے تو صبر کرنا چاہیے۔

ٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَـٰبَتۡهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓاْ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيۡهِ رَٰجِعُونَ "اور وہ لوگ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"۹ سورۃ البقرہ: ۱۵۶

مشکلات پر صبر کرنا اور اللہ پر بھروسہ رکھنا مؤمن کی علامت ہے۔

سوشل میڈیا کے مثبت اور منفی پہلو قرآن واحادیث کی روشنی میں:

سوشل میڈیا ایک دو دھاری تلوار ہے جو انسان کو نفع بھی پہنچا سکتا ہے اور نقصان بھی۔ اگر اس کا استعمال علم، اصلاح، تبلیغ دین، سماجی بھلائی اور مثبت سرگرمیوں کے لیے کیا جائے تو یہ ایک عظیم نعمت ہے۔ قرآن کریم و حدیث کی روشنی میں کسی بھی وسیلے کو استعمال کرنے کا دارومدار نیت، طریقہ کار اور اس کے اثرات پر ہوتا ہے۔

سوشل میڈیا کے مثبت اور منفی پہلو قرآن واہل بیتؑ کی روشنی میں:

سوشل میڈیا ایک طاقتور ذریعہ ہے جسے مثبت اور تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید اور اہل بیتؑ کی تعلیمات میں ایسے اصول اور ہدایات موجود ہیں جو سوشل میڈیا کے درست اور نفع بخش استعمال کی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

۱. حق اور سچائی کی تبلیغ

سوشل میڈیا کو اسلامی تعلیمات اور حق کی تبلیغ کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ" "اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے، نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں؟"۱۰ سورہ فصلت: ۳۳

یہ آیت ہمیں اس بات کی ترغیب دیتی ہے کہ ہم سوشل میڈیا کو اللہ کے دین کی تبلیغ، اچھے اعمال کی ترویج اور اسلام

کی سچی تصویر پیش کرنے کے لیے استعمال کریں۔

۲. علم کی نشر و اشاعت

علم پھیلانا اسلام میں ایک اعلیٰ درجے کا عمل ہے، اور سوشل میڈیا اس مقصد کے لیے بہترین پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "العلم يُحْيِي القلوب الميتة، كما يُحْيِي المطر الأرض الميتة". "علم مردہ دلوں کو اسی طرح زندہ کرتا ہے جیسے بارش مردہ زمین کو زندہ کرتی ہے۔"۱۱ نہج البلاغہ، حکمت ۱۴۷

سوشل میڈیا کے ذریعے دینی و دنیاوی علوم کو عام کرنا اور لوگوں کی علمی ترقی میں مدد دینا ایک نیک عمل ہے۔

۳. فلاحی اور خیراتی کاموں کی ترویج

سوشل میڈیا کو فلاحی کاموں کے فروغ کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسے غریبوں کی مدد، چندہ مہمات، اور ضرورت مندوں تک مدد پہنچانا۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا: "وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ" "اور نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو، گناہ اور زیادتی میں مدد نہ کرو۔"۱۲ سورہ مائدہ: ۲

اگر سوشل میڈیا کا استعمال خیراتی کاموں، محتاجوں کی مدد اور سماجی بہتری کے لیے کیا جائے تو یہ ایک عظیم عبادت بن سکتا ہے۔

۴. ظالموں کے خلاف آواز اٹھانا

سوشل میڈیا مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کے خلاف آواز بلند کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ امام حسینؑ کا قول ہے: "إِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الإِصْلاحِ فِي أُمَّةِ جَدِّي"". میں نے اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لیے قیام کیا ہے۔"۱۳ بحار الانوار، جلد ۴۴، صفحہ ۳۲۹

اگر سوشل میڈیا کے ذریعے سماجی ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھائی جائے اور اصلاحی اقدامات کیے جائیں تو یہ ایک عظیم کام ہوگا۔

۵. اچھے اخلاق اور نرم گفتاری کی ترویج

سوشل میڈیا پر گفتگو کے آداب کی بہت اہمیت ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا: ''وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا'' ''اور لوگوں سے بھلی بات کہو۔'' ۱۴ سورہ البقرہ: ۸۳

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "کونوا دُعاةً لِلنّاسِ بِغَیرِ ألسِنَتِکُم"".لوگوں کو اپنے عمل سے دین کی دعوت دو، محض زبان سے نہیں۔"۱۵ الکافی، جلد ۲، صفحہ ۷۷

سوشل میڈیا پر مثبت اور اخلاقی گفتگو، صبر و تحمل کا مظاہرہ اور دوسروں کی عزت واحترام کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۶. امر بالمعروف و نہی عن المنکر

سوشل میڈیا کے ذریعے اچھائی کو فروغ دینا اور برائی سے روکنا ممکن ہے۔

امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں: ''میں نے خروج صرف اس لیے کیا تاکہ امتِ جد محمد ﷺ کی اصلاح کروں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو قائم کروں۔'' ۱۶ بحار الانوار، جلد ۴۴

سوشل میڈیا کو ظلم، ناانصافی، اور برائیوں کے خلاف آواز بلند کرنے کے لیے ایک مثبت ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔

سوشل میڈیا کے منفی پہلو اور اہل بیتؑ کی نصیحتیں

۱. جھوٹ اور افواہوں کا پھیلاؤ

سوشل میڈیا پر اکثر بغیر تحقیق کے جھوٹی خبریں اور افواہیں پھیلائی جاتی ہیں جو معاشرتی بگاڑ کا سبب بنتی ہیں۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: أعظمُ الخیانةِ الکذبُ، وهو مُجافٍ للإیمانِ"". سب سے بڑی خیانت جھوٹ ہے، اور یہ ایمان کے خلاف ہے۔ ۱۷ نہج البلاغہ ۳۶۲

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں'': ہر سنی سنائی بات کو بیان کرنا جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے۔'' ۱۸ الکافی، جلد ۲

ہمیں چاہیے کہ کسی بھی بات کو پھیلانے سے پہلے اس کی تصدیق کریں۔

۲۔ غیبت اور کردار کشی

سوشل میڈیا پر لوگوں پر تنقید، بہتان اور غیبت عام ہو چکی ہے، جو اخلاقی اور دینی لحاظ سے سخت منع ہے۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "الغيبةُ جُبنُ الجُبناءِ". "غیبت کرنا بزدلوں کا کام ہے۔"۱۹ غرر الحکم حدیث ۱۹

امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں: شَرُّ العِبادِ مَن تَتَبَّعَ عُيوبَ النّاسِ، وَعَمِيَ عَن عُيوبِهِ. "سب سے بدترین بندہ وہ ہے جو دوسروں کی خامیاں تلاش کرتا ہے جبکہ خود ان میں مبتلا ہوتا ہے۔"۲۰ تحف العقول، ص ۴۸۹

سوشل میڈیا پر بے جا تنقید، کردار کشی اور غیبت کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

۳. وقت کا ضیاع

سوشل میڈیا کا غیر ضروری استعمال وقت کے ضیاع کا سبب بنتا ہے جو دین اور دنیا دونوں کے نقصان کا باعث ہے۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "فرصت کو غنیمت جانو، کیونکہ وقت تیز رفتاری سے گزر جاتا ہے۔"۲۱ نہج البلاغہ

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "جو شخص اپنا وقت ضائع کرتا ہے، وہ اپنی بربادی کی بنیاد رکھتا ہے۔"۲۲ میزان الحکمہ

وقت کو ضائع کرنے کے بجائے اسے سیکھنے اور نیک اعمال میں استعمال کرنا چاہیے۔

۴. ریاکاری اور دکھاوا

سوشل میڈیا پر لوگ اپنی نیکیوں اور عبادات کا دکھاوا کرتے ہیں، جو خلوصِ نیت کو ختم کر دیتا ہے۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "ریاکاری ایمان کو کمزور کر دیتی ہے۔"۲۳ غرر الحکم

۶۔ بے حیائی اور غیر اخلاقی مواد کا فروغ

سوشل میڈیا پر فحش مواد، غیر اخلاقی گفتگو، اور بے حیائی کا فروغ عام ہو چکا ہے، جو معاشرتی بگاڑ کا سبب بن رہا ہے۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "حیا ایمان کا زیور ہے۔"۲۴ غرر الحکم

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جو شخص حیا کو ترک کر دے، وہ جس چیز کا چاہے ارتکاب کرے۔"۲۵ الکافی

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ سوشل میڈیا پر حیا اور اخلاقیات کا دامن نہ چھوڑیں اور اس کا پاکیزہ استعمال کریں۔

قرآن میں فتنوں کا تذکرہ اور سوشل میڈیا کا تعلق

قرآن مجید میں فتنہ کا لفظ مختلف مواقع پر استعمال ہوا ہے، جس کا مفہوم آزمائش، فساد، یا فریب ہے۔ یہ فتنہ انسان کی ایمانی قوت، اخلاقی استحکام، اور اجتماعی سکونت کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ سوشل میڈیا بھی آج کل کی ایک اہم آزمائش یا فتنہ بن چکا ہے، جہاں لوگوں کو حقیقت اور جھوٹ کے درمیان تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اور جہاں فتنہ پھیلانے والے مواد کی فراہمی کا عمل انتہائی تیز ہو گیا ہے۔

۱. فتنہ کی تعریف اور اس کی اقسام

قرآن مجید میں فتنہ کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے:

"اور ہم تمہیں کچھ خوف، بھوک، مالوں کی کمی اور جانوں کی کمی سے آزمائیں گے، اور خوشخبری دے دو صبر کرنے والوں کو۔"۲۶ البقرہ: ۱۵۵

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ فتنہ کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں، جیسے کہ مادی نقصانات، جسمانی آلام یا نفسیاتی آزمائشیں۔ سوشل میڈیا پر بھی ایسا مواد پھیلایا جا سکتا ہے جو انسانوں کے ایمان، اخلاق اور سوسائٹی کے لیے خطرہ بنے۔

۲. جھوٹ، غیبت اور افواہیں: فتنہ کا ایک ذریعہ

سوشل میڈیا پر جھوٹ، افواہیں اور غیبت کا پھیلنا فتنہ کی ایک شکل ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اور جب تم میں سے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ، اور اگر ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔"۲۷ الحجرات: ۹

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ جھگڑے اور بدگمانی کا آغاز فساد اور فتنہ کا سبب بن سکتا ہے، جو سوشل میڈیا پر تیز رفتار

طریقے سے پھیلتا ہے۔افواہوں کی وجہ سے لوگوں کے درمیان نفرت اور غلط فہمیوں کا پیدا ہونا فتنہ کی علامت ہے۔

۳. دین سے دوری اور فتنہ

سوشل میڈیا کا بے تحاشہ استعمال انسانوں کو دین سے دور کر سکتا ہے اور ان کے ایمان میں کمی لا سکتا ہے، جو قرآن کی روشنی میں ایک فتنہ کی شکل ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

"وَاتَّبِعْ مَا يُوحَى إِلَيْكَ وَصبِّرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا"۲۸ الکہف:۲۸

اس آیت میں اللہ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی عبادت میں مشغول ہیں، ان کے ساتھ رہو اور دنیاوی لذتوں کی طرف نہ دیکھو۔ سوشل میڈیا پر دنیاوی لذتوں، شہرت اور آسائشوں کا شکار ہونا لوگوں کو روحانی فتنہ میں مبتلا کر سکتا ہے، کیونکہ اس میں دنیا کے جھمیلوں کی زیادہ تشہیر کی جاتی ہے۔

۴. معاشرتی فساد اور سوشل میڈیا

سوشل میڈیا پر مختلف خیالات اور نظریات کا اظہار اس بات کا سبب بن سکتا ہے کہ معاشرتی فساد اور تقسیم بڑھے۔ قرآن مجید میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے:

"اور اللہ تمہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ تم آپس میں مال کھاؤ اور لوگوں کے درمیان ظلم و زیادتی کرو۔"۲۹ البقرہ:۱۸۸

سوشل میڈیا پر لوگوں کی ذاتی معلومات کو غلط طریقے سے استعمال کیا جا سکتا ہے، جو کہ ظلم اور فساد کی ایک صورت ہے۔ جھوٹی خبریں، فحش مواد اور نفرت انگیز تقاریر معاشرتی فساد کی بنیاد بن سکتی ہیں، جو قرآن میں بیان کردہ فتنہ کی صورتوں سے ہم آہنگ ہیں۔

۵. سوشل میڈیا پر فتنہ کا انسداد

قرآن ہمیں ہر قسم کے فتنہ سے بچنے کی رہنمائی فراہم کرتا ہے، اور یہی اصول سوشل میڈیا پر بھی لاگو ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یقیناً تمہارا دوست صرف اللہ اور اس کے رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جو نماز قائم کرتے

ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور رکوع کرنے والے ہیں۔" ۳۰ المائدہ: ۵۵

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ ہم کس طرح اپنی معاشرتی زندگی میں ایمان اور اخلاقی اصولوں کو اختیار کریں۔ سوشل میڈیا پر بھی ہمیں اسی طرح احتیاط اور پرہیزگاری کے ساتھ رہنا چاہیے، تاکہ ہم فتنوں کا شکار نہ ہوں۔

سوشل میڈیا کی سوشل اور روحانی اثرات پر قرآن کی رہنمائی

سوشل میڈیا آج کے دور میں ایک مؤثر ذریعہ ابلاغ بن چکا ہے، جو سماجی روابط، معلومات کے تبادلے اور تفریح کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تاہم، اس کے سوشل اور روحانی اثرات کو قرآن مجید کی روشنی میں سمجھنا نہایت ضروری ہے تاکہ ہم اس کا مثبت استعمال کر سکیں اور نقصان دہ پہلوؤں سے بچ سکیں۔

۱. سوشل میڈیا کے سوشل اثرات اور قرآن کی رہنمائی

۱. سچائی اور افواہوں سے بچاؤ

سوشل میڈیا پر افواہیں اور غلط معلومات بہت تیزی سے پھیلتی ہیں، جو سماجی انتشار اور بدگمانی کا سبب بنتی ہیں۔ قرآن ہمیں تاکید کرتا ہے کہ کسی بھی خبر کو بغیر تحقیق کے آگے نہ پھیلائیں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر تمہیں اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔" ۳۱ سورۃ الحجرات: ۶

۲. عزت و احترام اور بدگمانی سے اجتناب

سوشل میڈیا پر اکثر لوگ دوسروں پر تنقید، مذاق، اور جھوٹے الزامات لگاتے ہیں، جو معاشرتی بگاڑ کا باعث بنتا ہے۔ قرآن اس رویے کی سخت مذمت کرتا ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اے ایمان والو! نہ تو مرد دوسرے مردوں کا مذاق اُڑائیں، ممکن ہے کہ وہ (جن کا

مذاق بنایا جارہا ہے) ان سے بہتر ہوں، اور نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اُڑائیں، ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے پر طعنہ زنی کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔"۳۲ سورۃ الحجرات: ۱۱

۳. فتنہ اور فساد سے بچاؤ

سوشل میڈیا پر غلط معلومات، نفرت انگیزی، اور فرقہ واریت کو ہوا دی جاتی ہے، جو معاشرے میں فتنہ اور انتشار پیدا کر سکتی ہے۔ قرآن اس حوالے سے ہمیں تنبیہ کرتا ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اور فساد نہ پھیلاؤ زمین میں اس کے بعد کہ اس کی اصلاح کی جا چکی ہے۔"۳۳ سورۃ الاعراف: ۵۶

۴. غیبت اور چغل خوری سے اجتناب

سوشل میڈیا پر بعض افراد دوسروں کے راز افشا کرتے ہیں، ان کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور ان کی برائیوں کو اچھالتے ہیں، جو کہ غیبت کے زمرے میں آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اور نہ ہی تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ پس تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ ۳۴" سورۃ الحجرات: ۱۲

سبق : کسی کی نجی زندگی یا عیبوں کو پھیلانے سے پرہیز کریں، بلکہ دوسروں کی اصلاح اور بہتری کے لیے مثبت طرزِ عمل اپنائیں۔

مستقبل میں سوشل میڈیا کا کردار: قرآن کی روشنی میں

سوشل میڈیا تیزی سے ترقی کر رہا ہے اور مستقبل میں اس کا کردار مزید وسیع اور مؤثر ہونے کی توقع ہے۔ ٹیکنالوجی میں جدت کے ساتھ، سوشل میڈیا نہ صرف معلومات اور تفریح کا ذریعہ رہے گا بلکہ تعلیم، کاروبار، صحت، اور سماجی تبدیلی کے لیے بھی ایک اہم وسیلہ بنے گا۔ تاہم، قرآن مجید کی روشنی میں ہمیں اس کے مثبت اور منفی اثرات کو سمجھنا ہوگا

تاکہ ہم اس کا درست اور متوازن استعمال کر سکیں۔

۱. سچائی اور تحقیق پر مبنی معلومات کی فراہمی

مستقبل میں، سوشل میڈیا خبروں اور معلومات کی ترسیل میں ایک مرکزی کردار ادا کرے گا۔ تاہم، غلط معلومات (FAKE NEWS) اور افواہوں کے پھیلاؤ کا خطرہ بھی موجود رہے گا۔ قرآن ہمیں تحقیق اور تصدیق کی تلقین کرتا ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور بعد میں اپنے کیے پر پشیمان ہو جاؤ۔" ۳۵ سورۃ الحجرات: ٦

۲. دعوت و تبلیغ اور اسلامی تعلیمات کی ترویج

سوشل میڈیا اسلام کی تبلیغ اور دینی تعلیمات کو پھیلانے کا ایک مؤثر ذریعہ بن سکتا ہے۔ قرآن ہمیں نیکی کی تلقین اور برائی سے روکنے کا حکم دیتا ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو بھلائی کی دعوت دیں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔" ۳٦ سورۃ آل عمران: ۱۰۴

مستقبل میں سوشل میڈیا کو قرآن و حدیث، اسلامی تعلیمات اور اخلاقی اقدار کے فروغ کے لیے زیادہ مؤثر طریقے سے استعمال کیا جانا چاہیے۔

۳. مثبت اور تعمیری گفتگو کی حوصلہ افزائی

سوشل میڈیا پر نفرت انگیز تقاریر، بدتمیزی، اور غیر اخلاقی مواد کا خدشہ ہمیشہ رہے گا۔ مستقبل میں، ہمیں اپنی گفتگو میں شائستگی اور مہذب انداز اپنانا ہوگا، جیسا کہ قرآن ہمیں نرم گفتاری کی تلقین کرتا ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں": اور لوگوں سے بھلے انداز میں بات کرو۔ ۳۷" سورۃ البقرہ: ۸۳

ایک اور مقام پر فرمایا:

"اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: سلام! (یعنی وہ بحث میں نہیں پڑتے"۳۸
سورۃالفرقان: ٦٣

سبق : سوشل میڈیا پر مثبت گفتگو، برداشت، اور اخلاقیات کو فروغ دینا ہوگا تاکہ یہ معاشرتی ہم آہنگی کا ذریعہ بنے۔

۴. حیا اور اخلاقی حدود کی پاسداری

مستقبل میں، سوشل میڈیا پر ورچوئل ریئلٹی (VR) اور مصنوعی ذہانت (AI) کے استعمال میں اضافہ ہوگا، جس سے فحاشی اور غیر اخلاقی مواد کے پھیلنے کا خدشہ بھی بڑھ سکتا ہے۔ قرآن ہمیں اپنی نظروں اور عزت کی حفاظت کا حکم دیتا ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "مومنوں سے کہو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہی ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔"سورۃالنور: ۳۰

۵. مصنوعی ذہانت اور سوشل میڈیا کا مستقبل

مصنوعی ذہانت (AI) اور خودکار سسٹمز (AUTOMATED SYSTEMS) مستقبل کے سوشل میڈیا کو مزید بہتر اور مؤثر بنا سکتے ہیں، لیکن ان کے غلط استعمال سے معاشرتی اور روحانی مسائل بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ قرآن ہمیں علم اور حکمت کے ساتھ ٹیکنالوجی کو استعمال کرنے کی ہدایت دیتا ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں":اور نہ جاننے والوں سے کہو کہ علم والوں سے پوچھ لیں۔"۳۹
سورۃالنحل: ۴۳

نتیجہ:

سوشل میڈیا جدید دور کا ایک طاقتور ذریعہ ہے جو معلومات کی تیز تر رسائی، سماجی روابط، تعلیمی ترقی، اور تفریح کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے۔ تاہم، اس کے منفی اثرات میں وقت کا ضیاع، جھوٹی معلومات کا پھیلاؤ، اور اخلاقی بگاڑ شامل ہیں۔

اسلام، جو ہر معاملے میں اعتدال اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، ہمیں سکھاتا ہے کہ ہر چیز کا درست اور غلط استعمال ممکن

ہے۔ قرآن کریم میں نعمت اور آزمائش کے تصورات کو واضح کیا گیا ہے، جہاں نعمت کا شکر کرنے پر اس میں اضافہ ہوتا ہے اور آزمائش پر صبر کرنے سے کامیابی ملتی ہے۔

سوشل میڈیا کو مثبت مقاصد کے لیے استعمال کرنا اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک نعمت ہے، جیسے کہ حق کی تبلیغ، علم کی نشر و اشاعت، فلاحی کاموں کی ترویج، اور ظالموں کے خلاف آواز بلند کرنا۔ اہل بیتؑ کی تعلیمات بھی ہمیں اخلاقیات، سچائی، اور نرمی سے گفتگو کرنے کی ہدایت دیتی ہیں۔

دوسری طرف، سوشل میڈیا کے منفی پہلوؤں میں جھوٹ، غیبت، کردار کشی، اور وقت کا ضیاع شامل ہیں، جو اسلامی اخلاقیات کے خلاف ہیں۔ امام علیؑ اور دیگر اہل بیتؑ کی نصیحتوں کے مطابق، ہمیں غیر ضروری مشغولیات سے بچنا اور سوشل میڈیا کو تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

حوالہ جات:

القرآن کریم

۱. مجلسی، علامہ، بحار الانوار، جلد ۴۴، صفحہ ۳۲۹، مکتبہ الحیاۃ، ۲۰۰۵، نوبت دوم.

۲. ابن شعبہ، تحف العقول، مکتبہ اسلامی، ۲۰۱۰، نوبت اول.

۳. امام علی، غرر الحکم، دار الکتب، ۲۰۰۱، نوبت اول.

۴. کلینی، الکافی، مکتبہ اثریہ، ۲۰۰۳، نوبت دوم.

۵. شیخ صدوق، میزان الحکمہ، دار الکتب، ۲۰۱۲، نوبت اول.

۶. امام علی، نہج البلاغہ، انتشارات اسلامی، ۲۰۰۸، نوبت دوم.

KAPLAN, A. M., & HAENLEIN, M. (2010). "USERS OF THE WORLD, UNITE! THE CHALLENGES AND OPPORTUNITIES OF SOCIAL MEDIA" – BUSINESS HORIZONS.

BOYD, D. M., & ELLISON, N. B. (2007). "SOCIAL NETWORK SITES: DEFINITION, HISTORY, AND SCHOLARSHIP" – JOURNAL OF COMPUTER-MEDIATED COMMUNICATION

قرآن مجید میں انبیاء کی تبلیغات میں ان کی زوجات کا کردار

گل جہان رضوی

مقدمہ

یہ تحقیق قرآن مجید میں انبیاء کی تبلیغی زندگی میں ان کی زوجات کے کردار پر روشنی ڈالتی ہے۔ قرآن میں عورت کے مقام کو نمایاں کیا گیا ہے اور انبیاء کی زوجات کے مثبت و منفی کرداروں کو بیان کیا گیا ہے۔ بعض زوجات نے اپنے شوہروں کے مشن میں معاونت کی اور بعض نے رکاوٹیں پیدا کیں۔ اس تحقیق میں ان دونوں پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ ایک نیک عورت کس طرح دین کی خدمت کر سکتی ہے اور ایک نافرمان عورت کس طرح گمراہی کا سبب بن سکتی ہے۔

خواتین کی تاریخ میں کردار کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ وہ معاشرتی اور دینی طور پر اہم اثر و رسوخ رکھتی ہیں۔ قرآن نے مختلف خواتین کے کردار کو نمایاں کیا، جن میں نیک اور بد دونوں کی مثالیں شامل ہیں۔ یہ تحقیق معاشرتی اور دینی اصلاح کے لیے مثبت خواتین کے کردار کو اجاگر کرنے اور منفی کرداروں سے سبق حاصل کرنے کی اہمیت پر زور دیتی ہے۔ قرآن میں عورت کو صرف ایک بیوی یا ماں کے طور پر نہیں بلکہ اصلاح معاشرہ کا اہم عنصر قرار دیا گیا ہے، جو خاندان اور نسل کی تربیت میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

بہت سی انبیاء کی زوجات نے ان کے مشن میں اہم کردار ادا کیا، جیسے حضرت حوا علیہا السلام، جو حضرت آدم علیہ السلام کی معاون تھیں اور نسل انسانی کی پہلی ماں کے طور پر جانی جاتی ہیں۔ حضرت سارہ علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفادار زوجہ تھیں، جنہوں نے صبر اور قربانی کی مثال قائم کی۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے بے آب و گیاہ صحراء میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پرورش کی اور ان کی قربانی نے مکہ کی آبادکاری اور زمزم کے چشمے کے معجزے کو جنم دیا۔ اسی طرح، ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوت کو قبول کر کے اپنی عقل و دانائی کی مثال قائم کی۔ ان تمام خواتین نے اپنے شوہروں کی تبلیغی زندگی میں مدد فراہم کی اور اللہ کی راہ میں قربانیاں دیں، جو آج کی خواتین کے

لیے بھی ایک رہنمائی ہیں۔

دوسری طرف، کچھ زوجات نے اپنے شوہروں کے مشن میں رکاوٹیں پیدا کیں، جیسے زوجہ حضرت نوح علیہا السلام، جنہوں نے اپنے شوہر کی مخالفت کی اور کافروں کے ساتھ ہلاک ہو گئیں۔ زوجہ حضرت لوط علیہا السلام اپنی قوم کے فاسقانہ اعمال میں شریک ہوئیں اور اللہ کے عذاب میں مبتلا ہوئیں۔ اسی طرح، بعض زوجات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے قرآن میں بعض مواقع پر انہیں حدود کی پابندی اور دین کے اصولوں پر مکمل عمل کرنے کی تلقین کی گئی۔ ان مثالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورت اگر راہِ حق پر ہو تو دین کی مددگار بن سکتی ہے، لیکن اگر وہ گمراہی میں مبتلا ہو جائے تو تباہی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

یہ تحقیق ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ عورت کا کردار سماج، خاندان اور دین میں بہت اہم ہے۔ اگر وہ نیکی کی راہ پر ہو تو وہ ایک صالح معاشرے کی تعمیر کر سکتی ہے، اور اگر وہ گمراہی کی طرف مائل ہو جائے تو معاشرتی بگاڑ کا سبب بن سکتی ہے۔ انبیاء کی زوجات کے واقعات ہمیں دین، صبر، قربانی اور اطاعت کی اہمیت سکھاتے ہیں، جو ہر دور کی عورت کے لیے ایک مشعل راہ ہیں۔ قرآن نے عورت کے کردار کو مثبت انداز میں پیش کیا اور یہ واضح کیا کہ عورت کی دینداری اور اس کے فیصلے نہ صرف اس کے اپنے خاندان بلکہ پورے معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

تحقیق کی اہمیت اور ضرورت

مسلم خواتین کو چاہیے کہ وہ پاک باز اور نیک سیرت خواتین کے تاریخی کارنامے کو پڑھ کر ان کو اپنی زندگی کا دیا جائے اول قرار دیں۔ یہ سب کچھ باتوں اور خیالوں سے پورا نہیں ہوگا بلکہ اس کے حصول کے لیے ایثار، خلوص، سنجیدگی اور عمل کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید متقی پرہیزگار اور باشعور عورتوں کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔ اگر ہماری خواتین خوبصورت وظیفے کو قرآن کی روشنی میں تلاش کریں تو دنیا کی فیشن پرستی انہیں مرعوب نہیں کر سکتی۔ زمانے کا بڑھتا ہوا طوفان بدتمیزی، حوادث کی گرتی ہوئی بجلیاں ان کے عزم اور حوصلے میں ذرا برابر بھی فرق نہیں ڈال سکتی بلکہ اس شریف اور غیرت مند عورت کا اٹھایا ہوا ہر قدم تاریخ کی اجلی یادوں اور تابناک تذکروں میں شمار ہونے لگے گا۔

قرآن میں بلا شبہ حقیقت روحانیت ارتقا علم و عقل اور حکمت و شعور کی باتیں موجود ہیں اور یہ ہر زمانے میں نئی نئی

جہتوں کی نشاندہی کرتا ہے اس کی مصلحتیں اور حکمتیں عدل و انصاف کے عین مطابق ہوتی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ''انا ہدینہ سبیل اماشاکرن واماکفورا''۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ''اگر کوئی مومن اس حال میں مرے کہ اس نے علم دین کا ایک لکھا ہوا ورق اپنے پیچھے چھوڑا تو قیامت کے روز جہنم اور اس شخص کے درمیان وہ ورق حائل ہو جائے گا اور اس پر لکھے ہوئے ہر ہر حرف کے بدلے اللہ تبارک و تعالی اسے جنت میں ایک شہر عطا کرے گا جو دنیا کے شہروں سے سات گنا بڑا ہو گا۔''

اس حدیث کے پیش نظر علم کا سب سے بڑا منبع قرآن مجید ہے، جو دنیا کی ہر حقیقت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ قرآن مجید نہ صرف عبادات کا شعور فراہم کرتا ہے بلکہ معاملات، اخلاقیات، اور طرز حیات کے لیے واضح رہنمائی بھی پیش کرتا ہے۔ اس مقدس کتاب میں ایسے دروس و ضوابط موجود ہیں جو انسانی زندگی کو کامیابی اور فلاح کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔ قرآن کی اہمیت اس میں موجود قصص، عبرت آموز واقعات، اور انبیاء کے کرداروں سے بھی عیاں ہے، جو ہر دور کے انسان کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ قرآن پاک کا اعجاز اس کی جامعیت اور ابدی رہنمائی میں مضمر ہے، کیونکہ یہ ہر زمانے اور ہر معاشرت کے انسان کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے۔

قرآن مجید کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے ایک معجزہ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس میں رسول اکرم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے عملی نمونے موجود ہیں۔ یہ نمونے نہ صرف ایک مثالی زندگی گزارنے کے اصول فراہم کرتے ہیں بلکہ اقوام ماضی کے حالات و واقعات سے بھی روشناس کراتے ہیں۔ ان واقعات کے ذریعے انسان کو یہ سکھایا گیا ہے کہ کس طرح صبر، ایمان، اور جدوجہد کے ذریعے مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ قرآن میں موجود انبیاء کے قصص ہر دور کے انسان کو اپنی زندگی کے مسائل کا حل تلاش کرنے کا درس دیتے ہیں۔

قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کے ساتھ ساتھ ان کے اہل خانہ، خصوصاً ان کی زوجات کے کردار کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ انبیاء کی تبلیغی کوششوں میں ان کی زوجات کا کردار کئی پہلوؤں سے اہم رہا ہے۔ بعض زوجات نے اپنے شوہروں کے ساتھ کھڑے ہو کر دین کی تبلیغ میں معاونت کی اور ان کے مشن کو تقویت بخشی، جبکہ کچھ زوجات کے کردار سے انبیاء کو مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ ان کے کردار سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ خاندانی زندگی اور معاشرتی ذمہ داریوں میں توازن قائم رکھنا دین کی راہ میں ایک اہم اصول ہے۔

ہم یہاں پر کچھ انبیاء کی زوجات کے کردار پر روشنی ڈالیں گے، تاکہ ان کے مثبت اور منفی اثرات کو بہتر انداز میں سمجھا جاسکے۔ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ میں ان کی زوجات کا کردار نہایت اہم رہا ہے، کیونکہ خاندانی زندگی کا سکون اور ہم آہنگی انبیاء کی دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ان واقعات کے مطالعے سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ کس طرح نبیوں کی زوجات نے دین کے مشن میں معاونت کی اور کن مواقع پر ان کی کمزوریوں نے مشکلات پیدا کیں۔[1]

قرآن اور حدیث کی روشنی میں انبیاء کی زوجات کا مثبت کردار

.1 خاتون اول حضرت حوا علیہا السلام

حضرت حوا علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے مددگار، شریک حیات اور نسل انسانی کی ماں کے طور پر پیدا کیا۔ ان کا ذکر قرآن میں اس طور پر آیا کہ وہ حضرت آدم کے ساتھ پہلے انسانی جوڑے کے طور پر جنت میں بسائے گئے، جہاں انہیں اللہ کی نعمتوں سے نوازا گیا۔ مگر ایک آزمائش میں، شیطان کے وسوسے کی وجہ سے وہ اور حضرت آدم ممنوعہ درخت کے قریب چلے گئے اور اس کا پھل کھالیا۔ اس غلطی کے بعد، دونوں نے اللہ سے توبہ کی، جو اللہ نے قبول فرمائی، اور انہیں زمین پر بھیجا گیا تاکہ وہ وہاں انسانی معاشرت کی بنیاد رکھیں۔ زمین پر آکر حضرت حوا نے ازدواجی زندگی اور خاندانی نظام کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے اپنی اولاد کی پرورش کی اور ان میں اچھے اخلاق اور دینداری کو فروغ دیا۔ ان کا کردار ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ عورت نہ صرف خاندان کی پرورش اور تربیت کی ذمہ دار ہے بلکہ سماج میں اصلاح کا ایک بنیادی عنصر بھی ہے۔ ان کی زندگی صبر، اطاعت، اور قربانی کی مثال ہے، جو ہر عورت کے لیے مثالی نمونہ ہے۔[2]

.2 حضرت سارہ علیہا السلام

حضرت سارہ علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیک، صابر اور ایثار کی علامت زوجہ تھیں، جو ہر موقع پر ان کا

---

[1] سورہ دہر ایت نمبر ۲۱

[2] سورہ روم آیت نمبر ۲۱، تفسیر نور ثقلین جلد اص ۴۳۰، قصص الانبیاء ص ۴۲، مجمع البیان، ج ا، ص ۸۹، نور الثقلین، ج ا، ص ۲۷ – ۲۸)، تفسیر مجمع البیان جلد ۵ ص ۱۷۵

ساتھ دیتی رہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر ہجرت کی تو وہ بھی ان کے ساتھ نکلیں اور ہر آزمائش میں ان کے شانہ بشانہ رہیں۔ مصر کے بادشاہ کے دربار میں، جب بادشاہ نے ان پر غلط نظر ڈالی، تو اللہ نے حضرت سارہ کی پاکدامنی اور صداقت کی حفاظت فرمائی اور بادشاہ کو عاجز کر دیا، جس کے بعد اس نے نہ صرف حضرت سارہ کو رہا کیا بلکہ ان کی عزت میں اضافہ کیا۔ حضرت سارہ علیہا السلام کی سب سے بڑی قربانی حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیم کے نکاح میں دینا تھی، تاکہ ان کی نسل جاری رہے۔ اللہ نے بعد میں حضرت سارہ کو بھی حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی، جو ان کے لیے خوشی اور برکت کا باعث بنی۔ حضرت سارہ کی زندگی صبر، قربانی، اور اللہ پر بھروسے کی اعلیٰ مثال ہے، جو ہمیں سکھاتی ہے کہ عورت مشکل حالات میں اللہ کی رضا پر قائم رہے تو اللہ اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔[۳]

3. حضرت ہاجرہ علیہا السلام

حضرت ہاجرہ علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری زوجہ تھیں، جنہیں اللہ نے قربانی اور صبر کی علامت بنایا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے حکم دیا کہ وہ حضرت ہاجرہ اور ننھے حضرت اسماعیل کو مکہ کے بے آب و گیاہ صحرا میں چھوڑ دیں، تو حضرت ہاجرہ نے اللہ کے فیصلے کو تسلیم کیا اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ پانی کی تلاش میں انہوں نے صفا و مروہ کے درمیان سات بار چکر لگائے، جسے اللہ نے حج کا رکن بنا دیا۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت اسماعیل کے قدموں سے زمزم کا چشمہ جاری کر دیا، جو آج بھی دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے برکت کا ذریعہ ہے۔ حضرت ہاجرہ کی قربانی کے نتیجے میں مکہ مکرمہ کی بنیاد پڑی اور قبیلہ بنی جرہم وہاں آباد ہوا۔ انہوں نے حضرت اسماعیل کی پرورش کی اور انہیں نیکی، اطاعت اور اللہ کی بندگی سکھائی، جو بعد میں نبی بنے اور اللہ کے گھر کعبہ کی تعمیر میں حضرت ابراہیم کے شریک کار بنے۔ حضرت ہاجرہ کا کردار ہمیں اللہ پر بھروسہ، صبر، اور قربانی کی اہمیت سکھاتا ہے۔ وہ تمام ماؤں

سورہ ہود ایت نمبر ۷۱_۷۲، سورہ ہود ایت نمبر. . ۶۹، سورہ زاریات ایت نمبر. . ۲۹، بہار الانوار جلد نمبر ۱۲ صفہ ۵_۱۱_۱۱۰_۱۱۱

کے لیے ایک مثالی نمونہ ہیں جو اپنی اولاد کو بہترین تربیت دے کر انہیں نیک انسان بنانا چاہتی ہیں۔ [۴]

4.زوجہ حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زوجہ کا ذکر اسلامی روایات میں آیا ہے، جہاں ان کا کردار صبر اور قناعت پسندی کی علامت کے طور پر نمایاں کیا گیا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل سے ملنے مکہ آئے، تو ان کی پہلی بیوی کو ناشکری اور حالات کی شکایت کرتے ہوئے پایا، جس پر انہوں نے حضرت اسماعیل کو اپنی بیوی تبدیل کرنے کا مشورہ دیا۔ بعد میں، حضرت اسماعیل نے ایک صابر اور شکر گزار خاتون سے نکاح کیا، جو اللہ کی دی گئی نعمتوں پر خوش رہنے والی اور شوہر کی مددگار تھیں۔ حضرت اسماعیل کی زوجہ نے گھر کے استحکام، خاندان کی پرورش اور تبلیغی زندگی میں ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ وہ نیک بیوی کی بہترین مثال تھیں، جو شوہر کے ساتھ ہر حال میں خوش رہیں اور اللہ پر بھروسہ کیا۔ ان کے حسن سلوک اور وفاداری نے نسل در نسل نیکی اور ہدایت کے اصولوں کو آگے بڑھایا، اور انہی کی نسل میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ ان کا کردار ہمیں صبر، قناعت، اور شکر گزاری کی تعلیم دیتا ہے۔ [۵]

5.زوجہ حضرت سلیمان علیہ السلام (ملکہ بلقیس)

ملکہ بلقیس، قوم سبا کی حکمران، قرآن میں حکمت، عقل، اور قیادت کی علامت کے طور پر بیان کی گئی ہیں۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں اللہ کی وحدانیت کی دعوت دی، تو وہ پہلے حیران ہوئیں، لیکن پھر اپنی عقل و دانش سے حقیقت کو پہچان کر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت سلیمان نے جب ان کا تخت پلک جھپکتے میں منگوایا اور انہیں شیشے کے فرش کا معجزہ دکھایا، تو وہ سمجھ گئیں کہ یہ سب اللہ کی قدرت کے مظاہر ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ملکہ بلقیس عدل و انصاف کے اسلامی نظام میں شریک ہو گئیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مل کر حکومت کی۔ ان کی شخصیت دانشمندی، تدبر، اور حکمت کی ایک عظیم مثال ہے، جو ہمیں سکھاتی ہے کہ عورت اپنی دانشمندی سے نہ صرف اپنی زندگی

سورہ ابراہیم ایت ۳۷، بہار الانوار جلد ۱۲ص ۹۷_۱۱۴، الخصال۔ شیخ صدوق، علل شراع.. شیخ صدوق۔ قصص الانبیاء، تفسیر المیزان جلد ۷ ص ۲۴۱_۲۴۲

[۵] بہار الانوار جلد ۱۲صفہ _۸۴_۸۵، روضۃ الصفاج ا،ص ۵۸، طبری ج اص ۱۶۴

بلکہ پوری قوم کی تقدیر بدل سکتی ہے۔ وہ ایک مثالی زوجہ اور حکمران ثابت ہوئیں، جو ہر عورت کے لیے قیادت، دیانت اور حق کی تلاش کا درس دیتی ہیں۔[٦]

6. حضرت سفورا زوجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت سفورا علیہا السلام، حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ تھیں، جنہیں پاکدامنی، نیکی، اور وفاداری کی علامت کے طور پر جانا جاتا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین پہنچے تو انہوں نے دو بہنوں کو کنویں سے پانی نکالنے میں دشواری کا سامنا کرتے دیکھا اور ان کی مدد کی۔ جب حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کی دیانت، بردباری، اور محنت کا مشاہدہ کیا، تو انہوں نے اپنی بیٹی حضرت سفورا سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت سفورا کو ایک بہترین شریک حیات ہونے کا اعزاز حاصل ہوا، جنہوں نے حضرت موسیٰ کی زندگی کے مشکل ترین لمحات میں ان کا ساتھ دیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ حضرت سفورا نہایت وفادار، صابر اور نیک خاتون تھیں، جو ہر مشکل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کھڑی رہیں۔ جب حضرت موسیٰ نبوت سے سرفراز ہوئے اور فرعون کے مقابلے میں اللہ کے دین کی تبلیغ شروع کی، تو حضرت سفورا نے صبر اور حوصلے کا مظاہرہ کیا۔ وہ ازدواجی زندگی میں محبت، اعتماد، اور وفاداری کی مثال تھیں، جو ہر مسلمان عورت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ان کا کردار ہمیں سکھاتا ہے کہ بیوی کا شوہر کے مشن میں ساتھ دینا نہایت اہم ہوتا ہے، کیونکہ اس سے خاندان اور سماج میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔[٧]

7. زوجہ حضرت زکریا علیہ السلام

حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ ایک نیک، عبادت گزار، اور صابر خاتون تھیں، جنہیں طویل عرصے تک اولاد نہ ہونے کی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا امتحان یہ تھا کہ وہ اور حضرت زکریا علیہ السلام کئی سال تک بے اولاد رہے، مگر دونوں نے اللہ پر بھروسہ رکھا اور دعا کرتے رہے۔ ان کی دعا کو اللہ نے قبول فرمایا اور انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی، جو اللہ کے نبی بنے۔ حضرت زکریا کی زوجہ نے اپنی اولاد کی بہترین تربیت کی،

---

[٦] تفسیر بیضاوی ج ۲، ص ۱۱، معالم التنزیل ص ۷۴۷، کشاف ج ۲، ص ۴۴۵، در منصور ج ۵، ص ۲۳۸، سورۃ النمل آیت ۱۶

قصص الانبیاء ایت نمبر ۲۳_۲۸، بہار الانوار جلد نمبر ۱۳ صفحہ نمبر ۵۸_۵۹، الارشاد شیخ مفید

جس کے نتیجے میں حضرت یحییٰ علیہ السلام ایک صالح اور پرہیزگار نبی بنے۔ ان کا کردار ہمیں صبر، دعا اور اللہ کی رضا پر یقین رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ ایک مثالی ماں تھیں، جنہوں نے اپنے بیٹے کو نبی کی حیثیت سے پروان چڑھایا اور اللہ کے دین میں معاون بنیں۔ ان کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا اور دیر یا سویر ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ وہ ہر مسلمان عورت کے لیے نیکی، عبادت، اور تقویٰ کا نمونہ ہیں۔[۸]

8. زوجہ حضرت یحییٰ علیہ السلام

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی زوجہ نیک، باحیا، اور صالح خاتون تھیں، جو حضرت یحییٰ کی تبلیغی زندگی میں ان کے شانہ بشانہ رہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اللہ نے پاکدامنی اور حکمت کے ساتھ نوازا تھا، اور ان کی زوجہ نے بھی اسی پاکیزگی اور نیکی کے اصولوں پر اپنی زندگی بسر کی۔ وہ سچائی اور حق پر ثابت قدم رہنے والی خاتون تھیں، جو اللہ کی عبادت اور شوہر کی اطاعت میں ہمیشہ آگے رہیں۔ ان کا کردار ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ بیوی اگر صالح ہو تو وہ شوہر کے مشن میں مددگار بن سکتی ہے اور دین کی تبلیغ میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ وہ حضرت یحییٰ کی طرح صبر، تقویٰ، اور پاکدامنی کی علامت تھیں، جو ہر مسلمان عورت کے لیے ایک رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ ان کی شخصیت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ عورت کی نیکی نہ صرف اس کے اپنے خاندان بلکہ پوری امت پر اثر ڈال سکتی ہے۔[۹]

9. زوجہ حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجہ ایک انتہائی صابر اور اللہ پر بھروسہ رکھنے والی خاتون تھیں، جنہوں نے اپنے شوہر کا ہر آزمائش میں ساتھ دیا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے کنویں میں پھینک دیا، تو حضرت یعقوب شدید غم میں مبتلا ہو گئے۔ اس موقع پر ان کی زوجہ نے صبر کا دامن تھامے رکھا اور حضرت یعقوب کو بھی اللہ کی رحمت کی امید دلاتی رہیں۔ ان کی شخصیت خاندانی محبت، صبر، اور حکمت کی ایک عظیم مثال ہے۔ ان کا کردار ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں صبر اور حوصلہ ایک مضبوط خاندان کی بنیاد رکھتا ہے۔ وہ ایک مددگار اور ثابت قدم شریک حیات

---

[۸] سورہ آل عمران آیت ۳۷، ۳۸، ۳۹۔، سورہ مریم آیت ۱۹_۲۷، سورہ انبیاء آیت ۹۰_۸۹، قصص الانبیاء_تاریخ انبیاء ص۔ ۴۵۲_۴۵۵

[۹] سورۃ المریم آیت ۷، ۱۵، سورۃ آلِ عمران، آیت ۳۹، تفسیر مجمع البیان، ج ۲، ا، ص ۴۳۹

تھیں، جنہوں نے ہر حال میں اپنے شوہر کا ساتھ دیا اور ان کے غم میں ان کا سہارا بنیں۔[10]

.10 زوجہ حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام کی زوجہ کا ذکر تاریخی حوالوں میں ملتا ہے، جنہیں بعض روایات میں ملکہ زلیخا کہا گیا ہے۔ ابتدا میں انہوں نے حضرت یوسف کے ساتھ نامناسب رویہ اختیار کیا، لیکن بعد میں اللہ کی رہنمائی سے ہدایت یافتہ ہو گئیں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کا حکمران بنایا گیا، تو انہوں نے زلیخا سے نکاح کیا، جو توبہ کرنے کے بعد ایک نیک خاتون بن چکی تھیں۔ حضرت یوسف کی زوجہ کا کردار یہ سکھاتا ہے کہ اللہ جسے چاہے ہدایت دے سکتا ہے اور اگر انسان سچی توبہ کر لے تو اللہ کی رحمت اس پر نازل ہوتی ہے۔ وہ اپنی اصلاح کے بعد حضرت یوسف کے ساتھ عدل و انصاف پر مبنی حکومت میں شریک ہوئیں اور نیکی کی راہ اپنائی۔ ان کا کردار ہمیں غلطیوں سے سبق لینے اور سچی توبہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔[11]

.11 زوجہ حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ وفاداری، صبر، اور قربانی کی علامت ہیں۔ جب حضرت ایوب شدید بیماری میں مبتلا ہوئے اور ان کے تمام دوست واحباب انہیں چھوڑ گئے، تو صرف ان کی نیک اور صابر زوجہ ان کی خدمت کے لیے موجود رہیں۔ انہوں نے مشکل ترین حالات میں اپنے شوہر کی بے لوث خدمت کی اور ان کا ساتھ کبھی نہ چھوڑا۔ ان کی شخصیت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ سچی محبت اور وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ مشکل وقت میں بھی انسان اپنے ساتھی کا ساتھ نہ چھوڑے۔ جب حضرت ایوب کی آزمائش ختم ہوئی، تو اللہ نے انہیں ان کی صبر کا بہترین صلہ دیا۔ وہ ہر عورت کے لیے ایک مثالی شریک حیات کی بہترین مثال ہیں۔[12]

---

[10] روضۃ الصفا، ج ۱، ص ۶۱-۶۲، تاریخِ انبیا، عماد زادہ، ص ۳۶۹-۳۷۰، قصہ ھای قرآن ترجمہ مصطفیٰ زمانی، ص ۱۲۵

[11] سورۃ الیوسف آیت ۴، سورۃ الیوسف آیت ۱۵، روضۃ الصفا، ج ۱، ص ۶۱-۶۲

سورہ نساء ایت نمبر ۱۶۳۔ سورہ انعام ایت ۸۴، سورہ انبیاء ایت ۸۳۔، سورہ ص ایت ۴۱۔، بہار الانوار جلد ۱۲ صفحہ ۲۸۴، تفسیر مجمع البیان جلد ۴ ص ۳۳۰۔، تفسیر نور ثقلین جلد ۳ ص ۴۴۵، ۴۴۶، تاریخ انبیاء عماد زادہ ص ۴۵۳_۴۵۴، بہار الانوار جلد ۱۲ ص ۲۵۴

12.زوجہ حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام کی زوجہ نیک، صالح، اور عادل خاتون تھیں۔ وہ ان کے فیصلوں میں حکمت اور عدل میں ان کا ساتھ دیتی تھیں اور ان کے لیے ایک باعتماد شریک حیات ثابت ہوئیں۔ ان کا کردار ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ایک نیک بیوی شوہر کی کامیابی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ [۱۳]

13.زوجات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے اسلام کی تبلیغ، تعلیم، اور سماجی اصلاح میں نمایاں کردار ادا کیا۔ قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا ذکر "امہات المؤمنین " کے طور پر کیا گیا، یعنی وہ تمام مومنین کی مائیں ہیں، اور ان کی تعلیمات اور طرزِ عمل مسلمانوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ تھیں، نے اپنے ایمان، مالی تعاون، اور مکمل حمایت سے اسلام کے ابتدائی مراحل میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے اپنی ساری دولت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے لیے وقف کر دی، اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی وحی کے بعد گھبرا گئے، تو حضرت خدیجہ ہی وہ ہستی تھیں جنہوں نے انہیں حوصلہ دیا اور ان کی صداقت پر سب سے پہلے ایمان لائیں۔

دیگر ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کردار بھی نمایاں ہے، جنہوں نے حدیث اور فقہ کے علوم کو پھیلانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی سب سے بڑی راویہ تھیں اور اسلام کے بعد کے ادوار میں صحابہ کرام کی علمی رہنمائی کرتی رہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو قرآن کی پہلی حافظہ ہونے کا شرف حاصل ہے، اور ان کے پاس وہ نسخہ محفوظ تھا جس پر بعد میں قرآن کو مدون کیا گیا۔ حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی حکمت اور مشاورت نے کئی مواقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کی، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ان کے مشورے سے مسلمانوں کے فیصلے میں بہتری آئی۔

اسلام میں ازدواجی زندگی کے اصولوں کو سمجھنے کے لیے ازواج مطہرات کی زندگیاں مثالی نمونہ ہیں۔ حضرت زینب

قصص الانبیاء تاریخ انبیاء ص ۳۵۴، سورہ ص آیت نمبر ۱۷

بنت جحش رضی اللہ عنہا کی زندگی سخاوت اور خودداری کا مظہر تھی، جبکہ حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کے قبول اسلام سے یہ ثابت ہوا کہ اسلام کسی بھی نسل یا مذہب کے افراد کو اپنا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ حق کو پہچان لیں۔ حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد ان کے قبیلے کے لوگ بڑی تعداد میں اسلام لے آئے، جو اسلام کی دعوتی حکمت عملی کا حصہ تھا۔ حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد ابو سفیان کے مشرکانہ نظریات کو مسترد کر کے ہجرتِ حبشہ میں صبر اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات نے تبلیغ اسلام، اسلامی قوانین کی تشریح، اور سماجی بھلائی میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ان کی زندگیوں کا مطالعہ ہر مسلمان عورت کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہے کہ وہ کس طرح خاندانی، معاشرتی، اور علمی میدانوں میں اسلام کی خدمت کر سکتی ہے۔ ازواج مطہرات کی زندگیاں یہ سکھاتی ہیں کہ عورت علم، حکمت، صبر، اور قربانی کے ذریعے معاشرتی ترقی میں فعال کردار ادا کر سکتی ہے۔ [۱۴]

قرآن اور حدیث کی روشنی میں انبیاء کی زوجات کا منفی کردار

۲.۱ حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان بیوی کا ذکر

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا ذکر قرآن مجید میں ایک نافرمان عورت کے طور پر آیا ہے، جو اپنے شوہر کے دین کے بجائے کافروں کی حمایت کرتی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے 950 سال تک اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، مگر ان کی زوجہ نے نہ صرف اس دعوت کو مسترد کیا بلکہ اپنی قوم کے کافروں کا ساتھ دیتی رہی۔ ان کی بدخصلتی کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے کہ وہ حضرت نوح کے گھر کی ہر نئی بات باہر جا کر دوسروں کو بتا دیتی تھیں، جس کی وجہ سے حضرت نوح کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ وہ اپنے شوہر کی تبلیغی کوششوں کو نقصان پہنچانے والے افراد میں شامل تھیں اور ان کی ہدایت کو قبول نہیں کیا۔

سورہ احزاب ایت ۔۶، سورہ احزاب ایت ۳۲_ ۳۳، بہار الانوار علامہ محمد باقر مجلسی ۔، فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا علامہ سید علی حسینی، سیدۃ النساء الع

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی بیوی کو بار بار نصیحت کی اور حق کی دعوت دی، لیکن وہ اپنے کفریہ نظریات پر قائم رہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی قوم پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ کیا، تو حضرت نوح کو اپنے اہل و عیال کو کشتی میں لے جانے کا حکم دیا گیا، مگر ان کی بیوی کو عذاب میں مبتلا ہونے والوں میں شامل کر دیا گیا۔ قرآن میں ان کے بارے میں کہا گیا" :اللہ نے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال دی ہے۔ وہ دونوں ہمارے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں مگر انہوں نے خیانت کی "(التحریم: ۱۰)۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ کسی نبی کی زوجہ ہونا نجات کی ضمانت نہیں، بلکہ ایمان اور عمل صالح ہی حقیقی کامیابی کی بنیاد ہیں۔[۱۵]

۲ء۲. زوجہ حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا ذکر بھی قرآن میں منفی کردار کے طور پر کیا گیا ہے۔ وہ اپنی قوم کی برائیوں میں شریک تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام کے مشن میں رکاوٹ بنی رہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا تا کہ وہ اپنی قوم کو بدکاری، فحاشی، اور ہم جنس پرستی سے روکیں، لیکن ان کی بیوی ان کی سب سے بڑی مخالفین میں سے تھی۔ جب حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھاتے، تو ان کی بیوی قوم کے افراد کو خفیہ طور پر پیغام دیتی اور ان کے خلاف سازشیں کرتی۔ وہ اپنے شوہر کے گھر میں آنے والے مہمانوں کی خبریں بھی اپنی بدکار قوم تک پہنچاتی تھیں، جس کی وجہ سے حضرت لوط کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر اللہ کا عذاب نازل ہونے لگا، تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو پیچھے چھوڑ کر اپنے اہلِ ایمان کے ساتھ شہر سے نکل جائیں، کیونکہ وہ بھی عذاب پانے والوں میں سے تھی۔ جب حضرت لوط اپنی قوم کو چھوڑ کر جا رہے تھے، تو ان کی بیوی نے قوم کو اطلاع دینے کے لیے باہر قدم نکالا، اور اسی لمحے اللہ کا عذاب آیا، اور وہ پتھر کا شکار ہو کر ہلاک ہو گئی۔ قرآن میں اس کے بارے میں فرمایا گیا" :ہم نے فیصلہ کیا کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں شامل ہو گی "(ہود: ۸۱)۔ اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کوئی شخص برے اعمال میں

[۱۵] سورہ تحریم آیت نمبر ۱۰، بدائع الاخبار ص ۲۱۹، قصص الانبیاو مرسلین ص ۲۹۴، حیات القلوب ج ۲، ص ۳۶۷

ملوث ہو اور نبی کی بھی بیوی ہو، تب بھی وہ اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتی۔[16]

۴۔۳ ازوجات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (منفی پہلو)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات اسلام کی تبلیغ اور تعلیم میں نمایاں کردار ادا کرتی رہیں، لیکن بعض مواقع پر کچھ ازواج مطہرات نے ایسے عمل کیے جن پر اللہ نے تنبیہ فرمائی۔ قرآن مجید میں سورہ تحریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو ازواج کا ذکر آیا ہے، جنہوں نے ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو ظاہر کیا تھا، جس پر اللہ نے انہیں خبردار کیا اور اصلاح کی تلقین فرمائی۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کو ایک خاص بات راز میں رکھنے کے لیے کہی، لیکن وہ بات دوسری بیوی کو بتادی گئی۔ اللہ نے اس پر فرمایا" :اگر تم دونوں (ازواج) اللہ کی طرف رجوع کرو تو بہتر ہے، کیونکہ تمہارے دل ٹیڑھے ہو چکے ہیں، اور اگر تم نبی کے خلاف سازش کرو تو یاد رکھو کہ اللہ، جبریل اور نیک مؤمنین اس کے مددگار ہیں۔ (التحریم: ۴)

یہ آیت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو خصوصی احتیاط برتنے کا حکم دیا گیا تھا، کیونکہ وہ امت کی مائیں تھیں اور ان کے عمل دوسروں کے لیے نمونہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج نیک، صالح، اور متقی خواتین تھیں، لیکن قرآن نے یہ تعلیم دی کہ نبی کی زوجہ ہونے کے باوجود کسی کو اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اس واقعے کے بعد ازواج مطہرات نے مزید تقویٰ اور احتیاط اختیار کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی زندگی میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ واقعہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہر فرد اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور اللہ کے ہاں کسی بھی رشتے کی بنیاد پر استثناء نہیں ملے گا۔[17]

سورہ ہود ایت ۷۷، ۷۸، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، سورہ قمر ایت ۳۴_۳۹، تفسیر المیزان جلد ۱۰ص ۳۶۲، بہار الانوار جلد ۱۲صفہ ۱۵۸۱۵۷، تاریخ انبیاء عماد زادہ صفہ ۳۵۹

[17] سورۃالتحریم،آیت ا، قصص الانبیا وتاریخِ انبیا، تفسیرِ نمونہ، جلد ۱۴، تفسیر انوار نجف، جلد ۱۴

خلاصہ

ہمیں اس موضوع سے یہ درس ملتا ہے کہ موجودہ دور کی خواتین کو گزشتہ دور کی خواتین کی زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ جو پیغمبر ان کی اطاعت گزار بیویاں ہیں ان کی روش پر زندگی گزار کر اپنے آپ کو بہشتی خواتین بنا سکتی ہیں کیونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے "ایک نیک و صالح عورت ہزار غیر صالح مردوں سے افضل ہے اور جو عورت بھی سات دن تک اپنے شوہر کی خدمت کرتی ہے اس پر جہنم کے ساتوں دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور جنت کے آٹھ دروازے اس کے لیے کھول دیے جاتے ہیں تاکہ وہ جس سے چاہے بہشت میں داخل ہو سکے۔"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے زوجہ کا اپنے شوہر کو پانی پلانا اس کے لیے ایک سال کی عبادت سے زیادہ بہتر ہے جس کے دنوں میں روزے رکھے ہوں اور راتیں عبادت میں گزاری ہوں اور اللہ اس کے ہر گھونٹ کے عوض جو شوہر پانی سے پیتا ہے زوجہ کے لیے بہشت میں ایک شہر قرار دیا جاتا ہے اور اس کے اس کام کے سبب اس کے آٹھ سال کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اچھی عورت وہ ہے جو بچے پیدا کرے، محبت والی ہو، اپنے گھر والوں میں عزیز اور پاک دامن ہو، اپنے شوہر کے لیے خاک سار ہو اور اپنے شوہر کے لیے زینت اور آرائش کرتی ہو، اوروں کے سامنے باعفت اور پردے میں رہتی ہو، شوہر کی اطاعت کرتی ہو اور جب بھی اس کا شوہر اسے گھر میں چھوڑ کر جائے تو وہ اتنا ہی خرچہ کرے جتنا شوہر نے کہا ہو اور اس کا بخشش کرنا شوہر کی بخشش کرنے کی طرح کا نہیں ہونا چاہیے۔ اس کتاب میں ہمیں انبیاء کی زوجات کی زندگیوں سے درس حاصل کرنا چاہیے۔ اپنے شوہر کی اطاعت اور دکھ سکھ میں اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ جس طرح حضرت حوا علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کا ہر جگہ ساتھ دیا۔ حضرت سارہ علیہ السلام نے اپنی پوری دولت قربان کر دی اور اتنی حسین ہونے کے باوجود اپنے شوہر کی اولاد کے لیے انہیں شادی کرنے کے لیے اپنی کنیز بخش دی۔ حضرت ہاجرہ علیہ السلام نے اپنے شوہر کے حکم پر اپنے گھر سے دوری اختیار کی اور اپنے چھوٹے سے بچے کے ساتھ ایک ایسے مقام پر شوہر کی فرمانبردار ہو کر رہیں اور اللہ نے ان کو کتنی بڑی عظمت والا بنا دیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ کی زندگی سے درس لینا چاہیے کہ وہ ہر مصیبت میں صبر و استقامت میں ثابت قدم رہیں اپنے شوہر کا ساتھ دیا۔ بی بی خدیجۃ الکبری کی زندگی سے درس حاصل کرنا چاہیے کہ انہوں نے اپنی پوری ملکیت دین اسلام پر خرچ کر دی۔ اچھی خواتین کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اور بری خواتین کے انجام سے ہمیں درس لینا چاہیے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی جو حضرت نوح علیہ السلام کو دیوانہ اور بوڑھا کہتی تھی اور ان کا

کہنا نہیں مانتی تھی اور وہ آخر میں سزا یا یافتہ ہو گئی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو مخبری کرتی تھی اپنے شوہر کے گھر کی بات باہر کرتی تھی اور اس کے اوپر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔

امام رضا علیہ السلام اپنے اجداد طاہرین کے ذریعے سے حضرت علی علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا ''ایک دن میں اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم شدید گریہ فرمارہے ہیں، ہم نے عرض کیا ہماری جان آپ پر قربان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ گریہ کا سبب کیا ہے؟'' حضرت صلی وسلم نے جواب دیا ''اے علی جس رات مجھے معراج پر لے جایا گیا تھا میں نے وہاں اپنی امت کی عورتوں کو شدید عذاب میں مبتلا پایا مجھے بہت تعجب ہوا لہٰذا اسی لمحے کو یاد کر کے میں رو رہا ہوں کہ کیا میری امت میں ایسی خواتین ہوں گی کیونکہ میں نے وہاں دیکھا کہ کچھ عورتیں اپنے سر کے بالوں کے بل لٹکی ہوئی ہیں اور ان کے سر کا بھیجا ابل رہا ہے اور کچھ عورتوں کو دیکھا کہ جو اپنی زبان کے بل لٹکی ہوئی ہیں اور کھولتا ہوا پانی ان کے حلق میں ڈالا جا رہا ہے اور کچھ عورتوں کو دیکھا جو اپنی چھاتیوں کے بل لٹکی ہوئی تھی اور کچھ عورتوں کو دیکھا جو اپنے گوشت کو نوچ نوچ کر کھا رہی تھی اور ان کے نیچے آگ دہک رہی تھی اور کچھ عورتوں کو دیکھا جن کے ہاتھ پیر بندے ہوئے تھے اور سانپ بچھو ان پر چھوڑ دیے گئے تھے جو انہیں ڈس رہے تھے اور کچھ عورتوں کو دیکھا جو گونگی اور بہری تھیں اور آتشی تابوت میں انہیں اسی طرح لے جایا جا رہا تھا کہ ان کا بھیجا پگھل پگھل کر ان کی ناکوں کی نتھنوں سے باہر نکل رہا تھا اور کچھ عورتوں کو دیکھا کہ پیروں کے بل تنور میں لٹکائی گئی تھیں اور کچھ عورتوں کو دیکھا کہ ان کی شرمگاہوں کو قینچیوں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جا رہا تھا کچھ عورتوں کے سر و صورت کو جلایا جا رہا تھا کچھ عورتوں کو دیکھا کہ ان کے سر سور اور بدن گدھے کی مانند تھے اور ہزار ہزار بلاؤں میں گرفتار تھیں شرم گاہوں سے آگ کو داخل کر کے منہ سے باہر نکالا جا رہا تھا اور اسی حالت میں فرشتے آتشی گرزوں سے ان کی سر اور بدن پر مسلسل مار رہے تھے۔''

فاطمہ سلام اللہ علیہا نے آگے بڑھ کر پوچھا بابا جان ان کا کردار کیسا تھا جو خدا نے انہیں اسی طرح کے شدید عذاب میں مبتلا کیا؟ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ''جو عورتیں سر کے بالوں کے بل لٹکی ہوئی تھی یہ وہ عورتیں تھیں جو اپنے سر کے بالوں کو نامحرم مردوں سے نہیں چھپاتی تھی اور جو اپنی زبانوں کے بل لٹکی ہوئی تھیں وہ وہ اپنے شوہر کو اپنی زبانوں سے اذیت دیا کرتی تھیں اور جو اپنی چھاتیوں کے بل لٹکی ہوئی تھیں وہ اپنے شوہروں کو اپنے نزدیک آنے سے منع کیا کرتی تھیں اور جو اپنے پیروں کے بل لٹکی ہوئی تھیں یہ وہ عورتیں تھیں جو اپنے شوہروں کی اجازت کے

بغیر گھر سے باہر جایا کرتی تھیں اور جو اپنے جسم کے گوشت کو نوچ نوچ کر کھا رہی تھیں وہ تھیں جو اپنے بدن کو نامحرموں کو دکھانے کے لیے آرائش کیا کرتی تھیں اور جن عورتوں کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اور سانپ بچھو انھیں ڈس رہے تھے یہ وہ تھیں جو نجاست و طہارت کا خیال نہیں رکھتی تھیں اور غسل حیض و جنابت نہیں کیا کرتی تھیں اور نماز میں کاہلی کیا کرتی تھیں اور جو عورتیں اندھی بہری اور عذاب میں مبتلا تھیں یہ وہ عورتیں تھیں جو اپنے فعل حرام سے پیدا ہونے والے بچوں کی نسبت اپنے شوہروں کی طرف دیا کرتی تھی اور جن کے جسم کو قینچی سے کاٹا جارہا تھا وہ تھیں جو اپنے آپ کو مردوں کے آگے پیش کیا کرتی تھی اور جن عورتوں کے سر وصورت کو جلایا جارہا تھا وہ تھیں جو زناکار مرد و عورت کے درمیان واسطہ بنتی تھیں اور جن عورتوں کے سر سور اور بدن گدے جیسے تھے وہ چغل خور اور جھوٹی عورتیں تھیں اور جن عورتوں کے سر وصورت کتے جیسے تھے اور آنکھیں شرمگاہ سے آگے گزار کر منہ سے باہر نکالی جارہی تھی وہ ناچنے گانے بجانی والی تھیں۔"

پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"خوش قسمت ہیں وہ خواتین جن کے شوہر ان سے راضی ہو اور لعنت ہو ان خواتین پر جن کے شوہر ان سے ناراض ہوں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے"جو شخص اپنی زوجہ کی بد اخلاقی پر صبر کرے گا تو اسے صبر ایوب کا سا ثواب ملے گا۔اسی طرح جو عورت اپنے شوہر کے برے اخلاق کو تحمل کرے گی تو اسے آسیہ بنت مزاحم کا سا ثواب دیا جائے گا۔"

ہمیں اس موضوع سے یہ درس ملتا ہے کہ خواتین کو اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے انبیاء اور ان کی زوجات کے طرزِ عمل سے رہنمائی لینی چاہیے۔ انبیاء کی اطاعت گزار بیویوں نے اپنی زندگی کے ہر پہلو میں شوہر کے ساتھ محبت، وفاداری، اور صبر کا مظاہرہ کیا، اور خدا کی رضا کے حصول کو مقصد بنایا۔

حضرت حوا علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کا ساتھ ہر حالت میں دیا۔ حضرت سارہ علیہ السلام نے اپنی ذاتی خواہشات کو ترک کرتے ہوئے اپنی کنیز ہاجرہ علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نکاح میں دے دیا تاکہ نسلِ انبیاء جاری رہے۔ حضرت ہاجرہ علیہ السلام کی قربانیوں نے ہمیں یہ سبق دیا کہ شوہر کی فرمانبرداری خدا کی رضا کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ نے مشکلات کے باوجود صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔

بی بی خدیجہ سلام اللہ علیہا نے اپنی دولت دین کی سربلندی کے لیے قربان کر دی، اور ہمیں ان کی زندگی سے یہ سبق

ملتا ہے کہ مال و دولت کو دین کے فروغ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ انبیاء کی زوجات کی زندگی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ نیک عورت وہ ہے جو شوہر کے لیے سکون و راحت کا ذریعہ بنے اور خدا کے احکام پر عمل کرے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین خواتین کے کردار کی عظمت کو اجاگر کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو عورت شوہر کی خدمت کرتی ہے، وہ جنت کی حقدار بنتی ہے۔ اسی طرح شوہر کے حقوق کی پاسداری اور شوہر کی رضا کو خدا کی رضا سے جوڑا گیا ہے۔

بدکردار خواتین کا انجام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ نافرمانی اور شوہر کے حقوق کو نظرانداز کرنا نہ صرف دنیا میں نقصان دہ ہے بلکہ آخرت میں بھی عذاب کا سبب بن سکتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کے انجام سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ شوہر کی نافرمانی اور غلط رویے سے بچنا چاہیے۔

آخری بات یہ ہے کہ خواتین کو چاہیے کہ وہ اپنے کردار کو نیک اور صالح بنائیں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے دیگر خواتین کو بھی صحیح راستے کی طرف بلائیں، اور امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ کے ظہور کی راہ ہموار کریں۔

لہٰذا جو خواتین خدا کی نعمتوں پر شکر بجالانا چاہتی ہیں، انہیں چاہیے کہ اپنے ایمان کو تقویت دینے کے لیے نہ صرف اپنی ذات بلکہ اپنے اطراف کی خواتین کو بھی دین کی طرف راغب کریں۔ وہ خود کو روحانی طور پر مضبوط کریں اور اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں، کیونکہ خواتین کی اخلاقی اور دینی تربیت ایک معاشرے کی بنیاد ہے۔ امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی غیبت کے دور میں، خواتین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے گھروں کو دینی تعلیمات کا مرکز بنائیں، بچوں کو اخلاقی اور دینی اقدار سکھائیں، اور اپنی گفتگو اور عمل سے حق کا پیغام دوسروں تک پہنچائیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ خواتین معاشرتی طور پر فعال ہوں اور اسلامی معاشرت کے اصولوں کو فروغ دیں۔ وہ مختلف طریقوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے سکتی ہیں، چاہے وہ اپنے گھروں کے اندر ہو یا اپنے حلقہ احباب میں۔ امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ کی نصرت کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ خواتین دینی تعلیم حاصل کریں، اپنی عملی زندگی کو اسلامی احکامات کے مطابق ڈھالیں، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔ اس کے علاوہ، خواتین کو اپنے کردار کو مثالی بنانا چاہیے تاکہ وہ دوسروں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بن سکیں۔

امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ کی نصرت کی تیاری کے لیے خواتین کو چاہیے کہ وہ نماز، روزہ، دعا، اور دیگر عبادات کے

ذریعے اللہ تعالی سے قربت حاصل کریں۔ انہیں اپنے کردار کو اتنا مضبوط بنانا ہو گا کہ وہ ہر مشکل وقت میں اپنے امام وقت کی حمایت کے لیے تیار رہ سکیں۔ خواتین کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے علم، عمل، اور اخلاق کے ذریعے اپنے خاندان اور معاشرے کو اسلام کے اصولوں کے مطابق پروان چڑھا سکتی ہیں۔

آخری گزارش یہ ہے کہ خواتین کو چاہیے کہ وہ ہر وقت امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ کے ظہور کے لیے دعا کریں اور اپنی زندگی کو اس انداز میں گزاریں کہ وہ امام وقت کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالی ہم سب کو ان کے ظہور کی تیاری کے لیے عملی طور پر خود کو تیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ کتاب بھی اسی مقصد کے تحت امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ کی خدمت میں ایک عاجزانہ ہدیہ کے طور پر پیش کی جا رہی ہے، تا کہ ہم سب ان کی نصرت کے لیے اپنے دل و دماغ اور اعمال کو تیار کر سکیں۔ آمین ثم آمین !

منابع

قرآن کریم

۱. حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار نجف، ۱۹۹۰۔

۲. ڈاکٹر بہشتی، قرآن حدیث اور تاریخ کی مثالی خواتین۔

۳. سید محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان، ۱۹۵۰۔

۴. سید محمد عابدی، امام زمانہ کی منتظر خواتین کا کردار۔

۵. سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی، تاریخ اسلام، ناشر امامیہ کتب خانہ مغل حویلی اندرون موچی دروازہ لاہور۔

۶. شہاب الدین میمن، سید النساء العالمین بنت رحمت للعالمین، ناشر انجمن باقر العلوم شہداد پور۔

۷. شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی، تفسیر مجمع البیان، ذوالحجہ ۵۴۸ ہجری۔

۸. شیخ صدوقؒ، علل الشرائع ناشر الکساء پبلشرز۔

۹. شیخ صدوق رحمۃ اللہ، امالی، ناشر ادارہ منہاج صالحین لاہور۔

۱۰. الشیخ عبد العلی حویزی، تفسیر نور ثقلین۔ادارہ من حاج الصالحین لاہور۔

۱۱. شیخ مفید، الارشاد، 10ویں صدی۔

۱۲. عزالدین ابن اثیر، تاریخ الکامل ابن اثیر۔

۱۳. علی ابن ابراہیم قمی، تفسیر قمی، 919ء۔

۱۴. علی دوانی، مترجم عابد عسکری، چند خواتین کا کردار قرآن مجید کی نظر میں،۔

۱۵. فروخت کاظمی، تاریخ اسلام المعروف و تفسیر اسلام۔

۱۶. محمد باقر مجلسی، بہار الانوار۔

۱۷. محمد محمدی اشتہاردی، قصص الانبیاء، ناشر ادارہ منہاج الصالحین۔

۱۸. ناصر مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، مصباح القرآن ٹرسٹ۔

۱۹. HTTPS://WWW.ANWARULNAJAF.COM/P/PDF.HTML

ماہِ صِیام : عبادتوں کا مہینہ اور امام عبادت

سیدہ صابرہ فاطمہ [1]، حرا بتول نقوی [2]

مقدمہ:

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ عبادتوں، رحمتوں اور مغفرتوں کا موسمِ بہار ہے۔ یہ وہ مبارک وقت ہے جب مومن کے دل میں عبادت کا جذبہ جوبن پر ہوتا ہے اور بندگی کا شوق روح کو تازگی بخشتا ہے۔ ہر روزہ دار کی زبان پر ذکرِ الٰہی جاری رہتا ہے اور ہر دل میں تقویٰ کی شمع روشن ہوتی ہے۔ مگر جب ہم عبادت کا ذکر کرتے ہیں تو ایک ہستی ایسی ہے جو عبادت کی معراج ہے، جسے تاریخ نے "امامِ عبادت" کے لقب سے یاد کیا—وہ ہستی امام علی علیہ السلام ہیں۔

علیؑ، جو راتوں کو سجدوں میں گم رہتے اور دن کے اجالے میں خدمتِ خلق میں مصروف ہوتے۔ جن کی پیشانی عبادت کے نور سے روشن تھی اور جن کے آنسو خشیتِ الٰہی میں بہنے کا سبب بنے۔ رمضان کی طاق راتیں علیؑ کے محرابِ عبادت کی گواہ ہیں، اور شبِ قدر وہ رات ہے جو علیؑ کے خون سے رنگین ہو کر ہمیشہ کے لیے عبادت اور شہادت کا حسین امتزاج بن گئی۔

یوں رمضان، عبادتوں کا مہینہ ہے اور علیؑ عبادت گزاروں کے امام۔ یہ مہینہ ہمیں سکھاتا ہے کہ عبادت محض رسم نہیں بلکہ قربِ الٰہی کا وہ راستہ ہے جس پر امامِ عبادت خود ہمارے لیے چراغِ راہ بنے۔ جس نے علیؑ کی عبادت کو سمجھ لیا، اس نے عبادت کا حقیقی راز پا لیا۔

کلیدی الفاظ: صیام، رحمت و مغفرت، امام علی علیہ السلام، تقویٰ، تقربِ الٰہی، شبِ قدر، محرابِ عبادت، قرآن و

---

[1] نویسندہ ہمکار

[2] نویسندہ مسئول

سنت، تربیتِ نفس، روحانی اصلاح، روزے کی فرضیت، عبادت کا فلسفہ

.تعارف

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو عبادات فرض کی ہیں، وہ در حقیقت انسان کی روحانی تربیت، اخلاقی اصلاح اور رب سے قربت کا بہترین ذریعہ ہیں۔ ان عبادات میں { **صیام** } روزہ کو ایک منفرد اور بلند مقام حاصل ہے۔ روزہ محض کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں بلکہ اپنے نفس کو ہر قسم کی برائیوں، نافرمانیوں اور اخلاقی خرابیوں سے بچانے کا نام ہے۔ صیام کا مقصد ظاہری جسمانی عبادت کے ساتھ ساتھ باطنی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔

صِیام کا لغوی مفہوم

صیام عربی زبان کا لفظ ہے، جو " **صام، یصوم، صوماً و صیاماً** " سے مشتق ہے۔

لغوی طور پر اس کا مطلب ہے: **"رک جانا، باز رہنا، اور اپنے آپ کو کسی کام سے روک لینا"**

عربی زبان میں گھوڑے کو اگر چلنے اور کھانے سے روک دیا جائے تو کہا جاتا ہے ": **الفرس صائم** " یعنی گھوڑا رکا رکنے کی حالت میں ہے۔

صِیام کا اصطلاحی مفہوم

شریعت میں صِیام سے مراد ہے ": **صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک نیت کے ساتھ کھانے، پینے اور تمام ممنوعہ کاموں سے رک جانا، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور تقویٰ کے حصول کے لیے**"۔

قرآنِ پاک میں روزے کی فرضیت کا ذکر ان الفاظ میں آیا ": يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ "[١] ترجمہ **:اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔ البقرۃ: ۱۸۳**

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ صیام محض ایک عبادت ہی نہیں بلکہ تقویٰ کا ذریعہ اور تربیت کا مؤثر نظام ہے۔

اسی طرح سورہ بقرہ میں مزید فرمایا: **وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ**[2] ترجمہ: **اور اگر تم سمجھو تو تمہارے لیے روزہ**

رکھنا زیادہ بہتر ہے۔ البقرہ: ۱۸۴

یعنی روزہ رکھنے کے ظاہری اور باطنی فائدے بے شمار ہیں، جنہیں بندہ خود مکمل طور پر نہیں سمجھ سکتا، مگر اللہ جانتا ہے کہ یہ اس کے لیے سراسر خیر ہے۔

ماہِ صیام: عبادتوں کا موسمِ بہار

ماہِ رمضان کو یوں ہی عبادات کا موسمِ بہار نہیں کہا جاتا۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں دل کی زمین پر رحمتوں کی بارش ہوتی ہے اور روح کی کھیتی سرسبز ہو جاتی ہے۔ پورے سال کی غفلتیں، خطائیں اور دنیا کی مصروفیات انسان کو اللہ سے دور کر دیتی ہیں، مگر رمضان آتا ہے تو گویا ربِ کریم اپنے بندوں کو ایک خصوصی موقع دیتا ہے کہ لوٹ آؤ، اپنی زندگی کو ایک بار پھر نورِ عبادت سے منور کر لو۔ یہی وجہ ہے کہ ماہِ رمضان میں عبادات کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ دن بھر روزہ، شام کو افطار کی دعا، رات کو نمازِ یا تہجد، قرآن کی تلاوت، ذکر و فکر، صدقہ و خیرات، سب کچھ اس مہینے میں بندے کو ایک نئے روحانی سفر پر لے جاتا ہے۔

رمضان میں عبادت محض رسم نہیں بلکہ روحانی تربیت کا ذریعہ ہے۔ روزے سے انسان کو بھوک اور پیاس کا احساس ہوتا ہے، جس سے غرباء کا دکھ سمجھنے کی تربیت ملتی ہے۔ عبادات کی کثرت سے دل نرم ہوتا ہے، انا جھک جاتی ہے اور بندہ خود کو اللہ کے قریب محسوس کرتا ہے۔ سحر میں اٹھنے کی عادت، ضبطِ نفس اور افطار کے وقت دعا کا شوق، یہ سب مل کر روح کو نکھارتے ہیں۔ امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ **عبادت وہ ہے جو دل کو نرم کرے اور انسان کو اپنے عیوب دکھائے۔** یہی روحانی تربیت کا کمال ہے کہ انسان اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو تو اپنے نفس کی کمزوریوں اور دل کے زنگ کو محسوس کرے۔

ماہِ صیام دراصل عبادات کے پھول کھلانے کا موسم ہے۔ جس طرح بہار میں سوکھے درخت پھر سے سرسبز ہو جاتے ہیں، اسی طرح رمضان میں خشک روحیں دوبارہ تروتازہ ہو جاتی ہیں۔ قرآن اس ماہ میں نازل ہوا تاکہ بندہ عبادت کے ساتھ ساتھ ہدایت کی روشنی بھی لے، اور عبادت محض مشقت نہ بنے بلکہ خدا کی معرفت کا راستہ بن جائے۔ امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بہترین عبادت وہ ہے جو عقل اور دل دونوں کو جِلا بخشے۔

یہی وجہ ہے کہ رمضان میں عبادت ایک فکری تربیت بھی ہے، کہ بندہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے، اپنی نیتوں کو پاک

کرے اور اپنی زبان، دل اور عمل کو عبادت کے رنگ میں رنگ دے۔ یہی وہ تربیت ہے جو پورے سال بندے کو خدا سے جوڑے رکھتی ہے۔ رمضان کی عبادات کا سب سے بڑا تحفہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اگر سچے دل سے عبادت کرے تو وہ تقویٰ کے زیور سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ یہی تقویٰ انسان کی اصل کامیابی ہے اور یہی عبادتوں کے موسمِ بہار کا سب سے حسین پھل ہے۔

امام علی علیہ السلام اور روزے کا فلسفہ

امام علیؑ کے لیے روزہ صرف عبادت نہیں بلکہ روحانی اور معاشرتی تربیت کا ذریعہ تھا۔ روزے کے ذریعے آپ غریبوں اور مسکینوں کی بھوک کو محسوس کرتے اور راتوں کو ان کے گھروں میں آٹا اور کھجوریں چھوڑ آتے، تاکہ کوئی بھوکا نہ رہے۔ امام علی علیہ السلام کی زندگی میں عبادت کا مقام سب سے بلند تھا۔ آپ کی راتیں عبادت میں بسر ہوتیں، دن خدمت خلق میں گزر جاتے۔ مگر جب ماہِ رمضان آتا تو امام علی کی عبادات میں اور بھی زیادہ خشوع و خضوع آ جاتا۔ امام علی رمضان المبارک کو ضیافتِ الٰہی کا مہینہ کہتے، جس میں مومنوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ آؤ، بھوک پیاس کے ذریعے اپنی روح کو پاک کرو، اپنی خواہشات کو قابو میں لاؤ اور اللہ سے حقیقی تعلق قائم کرو۔ امام علی نے روزے کی حقیقت کو صرف ظاہری بھوک پیاس سے بڑھ کر سمجھایا۔ آپ فرماتے تھے کہ روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں بلکہ زبان، آنکھ، کان، دل اور سوچ کو بھی پاک کرنے کا موقع ہے۔ روزہ ایک تربیت ہے، جہاں انسان تقویٰ کے عملی سبق سیکھتا ہے۔

امام علی کے روز و شب، خاص طور پر ماہِ رمضان میں، خدا کی بندگی کا ایسا عملی نمونہ تھے کہ جس پر فرشتے بھی رشک کرتے۔ آپ کے افطار کا حال یہ تھا کہ اکثر سوکھی روٹی، نمک یا دودھ سے افطار کرتے۔ آپ فرماتے کہ میں ایسی غذا سے اپنے نفس کو مانوس نہیں کرنا چاہتا جو دنیا کی محبت پیدا کرے۔ امام علی کا افطار ہمیں سادگی، قناعت اور تقویٰ کا حقیقی سبق دیتا ہے۔

امام علی علیہ السلام کی عبادت، روزے اور رمضان سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں رمضان ملا اور انہوں نے اس میں خود کو بخشوالیا۔ آپ تقویٰ کو کامیابی کا زادِ راہ کہتے اور فرماتے کہ سب سے بہترین سرمایہ وہ ہے جو دل کو خدا سے جوڑ دے اور نفس کو پاک کر دے۔ امام علی کا فلسفہ عبادت یہ ہے کہ عبادت کا

حسن اس میں ہے کہ بندہ اللہ سے محبت کے جذبے سے عبادت کرے، نہ خوفِ جہنم میں اور نہ شوقِ جنت میں۔ یہی وہ اخلاص ہے جس نے امام علی علیہ سلام کو عبادتوں کا امام بنادیا۔

آپ فرماتے ہیں:الصِّيَامُ اجْتِنَابُ الْمَحَارِمِ كَمَا يَمْتَنِعُ الرَّجُلُ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ[3] ترجمہ: روزہ یہ ہے کہ انسان ان تمام چیزوں سے بچے جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے، جس طرح وہ کھانے اور پینے سے رکتا ہے۔ نہج البلاغہ

یعنی حقیقی روزہ وہ ہے جس میں انسان گناہوں سے بھی پرہیز کرے، نہ کہ صرف بھوک اور پیاس برداشت کرے۔

روزہ اور تقویٰ

امام علیؑ کے نزدیک روزہ انسان کے اندر تقویٰ پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اور تقویٰ انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں:وَصُومُ قَلْبِهِ عَنِ الْفِكْرِ فِي الْآثَامِ أَفْضَلُ مِنْ صِيَامِ الْبَطْنِ عَنِ الطَّعَامِ[4] ترجمہ: دل کا روزہ یعنی گناہوں کے خیالات سے بچنا، پیٹ کے روزے سے افضل ہے۔ نہج البلاغہ

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ امام علیؑ ظاہری عبادات سے زیادہ باطنی طہارت اور نیت کی پاکیزگی کو اہمیت دیتے تھے۔

روزے کا مقصد: خودشناسی اور خداشناسی

امام علیؑ کے فلسفۂ عبادت میں ہر عبادت کا اصل ہدف انسان کو اس کی حقیقت سے روشناس کروانا ہے، تاکہ وہ اپنے رب کو پہچان سکے۔آپ فرماتے ہیں: عِبَادَةُ الْأَحْرَارِ شُكْرًا[5]ترجمہ: آزاد لوگ عبادت کرتے ہیں شکر کے طور پر۔نہج البلاغہ

یعنی روزہ بھی ایسا ہونا چاہیے کہ انسان اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرے اور اپنے رب کا قرب حاصل کرے، نہ کہ محض ثواب کی لالچ یا عذاب کے خوف میں۔

روزہ اور ضبطِ نفس

امام علیؑ روزے کو نفس کو لگام دینے اور خواہشات کو قابو میں رکھنے کی تربیت قرار دیتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں: كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوعُ وَالظَّمَأُ[6] ترجمہ: کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں ان کے روزے سے صرف بھوک اور پیاس ہی ملتی ہے۔ نہج البلاغہ

یعنی اگر روزہ دار اپنے اخلاق، کردار اور نیت کو پاکیزہ نہ کرے تو یہ روزہ حقیقی روزہ نہیں ہوگا۔

روزہ اور معاشرتی پہلو

امام علیؑ کے نزدیک روزہ صرف فردی عبادت نہیں بلکہ سماجی تربیت کا ذریعہ بھی ہے۔ روزہ دار اپنی بھوک اور پیاس کے ذریعے معاشرے کے غریب اور ضرورت مند لوگوں کے حالات کو محسوس کرتا ہے، اور یہ احساس اسے سخاوت اور ایثار کی طرف راغب کرتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:إِنَّ اللهَ فَرَضَ عَلَى الأَغْنِيَاءِ فِي أَمْوَالِهِمْ بِقَدْرِ مَا يَكْفِي فُقَرَاءَهُمْ، فَإِنْ جَاعُوا أَوْ عَرُوا فَبِمَا يُمْنَعُهُمْ مِمَّا فَرَضَ اللهُ لَهُمْ[7] ترجمہ: اللہ نے مالداروں کے مال میں اتنا حق رکھا ہے کہ وہ فقراء کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ اگر وہ بھوکے یا بے لباس رہیں تو یہ اس لیے ہے کہ مالداروں نے ان کا حق ادا نہیں کیا۔ نہج البلاغہ

روزہ ہمیں اس ذمہ داری کا احساس دلاتا ہے کہ معاشرے کے محروم طبقے کا خیال رکھنا ہماری دینی اور اخلاقی فریضہ ہے۔

امام علیؑ اور عبادت کا عملی نمونہ

امام علیؑ کے ذاتی معمولات اس فلسفے کا عملی نمونہ تھے:

آپ روزہ رکھتے ہوئے بھی مشکل ترین کام کرتے، مثلاً کھجوروں کے باغات لگانا اور کنویں کھودنا۔

سادہ غذا پر اکتفا کرتے، اکثر سوکھی روٹی اور نمک سے افطار کرتے۔

سحر و افطار میں ہمیشہ دوسروں کا حصہ نکالتے، یہاں تک کہ خود بھوکے رہ جاتے۔

عبادات میں ایسی خشوع و خضوع کہ رات بھر مسجد میں رو رو کر دعا کرتے۔

رمضان میں امام علیؑ کی سادگی اور تقویٰ عروج پر ہوتا۔ آپ کا افطار اکثر خشک روٹی، نمک یا پانی پر ہوتا۔ دنیا کی رنگینیوں سے کنارہ کش ہو کر آپ ہر لمحہ اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے طلبگار رہتے۔

ماہ صیام اور مغفرت کے دروازے

ماہِ رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جسے قرآن نے "شہر رمضان الذی انزل فیه القرآن "کہہ کر خصوصی عظمت بخشی ہے .یہ وہ مقدس وقت ہے جب اللہ کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں، مغفرت بندے کا انتظار کرتی ہے اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا": **إذا دخل شهر رمضان فتحت أبواب الجنة وغلقت أبواب النار وصفدت الشياطين**[8]" صحیح بخاری، کتاب الصوم، حدیث نمبر ١٨٩٩)۔

یہی مہینہ ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے اور اپنی رحمت سے نوازنے کے بہانے تلاش کرتا ہے۔

امام علی علیہ السلام نے بھی رمضان المبارک کو "موسمِ عبادت و مغفرت "قرار دیا اور فرمایا:" ***:رحمة الله قريب من المحسنين***[9]" یعنی اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے (غرر الحکم، حدیث ۴۵۱۹)۔

آپ ہمیشہ تاکید کرتے تھے کہ رمضان کا ہر لمحہ قیمتی ہے کیونکہ یہ وقت اللہ کے قرب اور بندگی کے اعلیٰ ترین درجے تک پہنچنے کا سنہری موقع ہے۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں" :الفرص تمر مر السحاب فانتهزوها اذا أمكنتم"[10]*مواقع* بادلوں کی طرح گزر جاتے ہیں، انہیں غنیمت جانو (غرر الحکم، حدیث نمبر ٧٧١۴٣)۔

رمضان کی سب سے بڑی نعمت "شبِ قدر" ہے، جسے قرآن نے "خیر من الف شہر" یعنی ہزار مہینوں سے افضل رات قرار دیا۔ (سورہ القدر، آیت ٣)۔

امام علی علیہ السلام شب قدر کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں" ***:ما فقد من وجد الله، وما وجد من فقد الله***[11]" جس نے خدا کو پا لیا، اس نے کچھ نہ کھویا، اور جس نے خدا کو کھو دیا، اس نے سب کچھ کھو دیا (غرر الحکم، حدیث ٨۴۴٦)۔

اسی لیے امام فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنی سب سے قیمتی رات کو رمضان میں چھپا دیا ہے تاکہ بندہ پورے مہینے کو اہم سمجھے اور کسی لمحے کو ضائع نہ کرے (غرر الحکم، حدیث ٦٧٢٣)۔

روزہ دار کے لیے یہ مہینہ تزکیہ نفس، اصلاح کردار اور مغفرت کی راتیں لے کر آتا ہے۔ قرآن نے بھی روزے کا

مقصد "تقویٰ" بیان کیا ہے (سورہ البقرہ، آیت ۱۸۳)۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں" :الصوم اجتناب المحارم كما يمتنع الرجل من الطعام والشراب"[12]روزہ یہ ہے کہ آدمی کھانے اور پینے سے رکنے کے ساتھ ساتھ ہر حرام سے بچے۔ (بحار الانوار، جلد ۹٦، صفحہ ۳٦۹)۔

یہ رمضان ہی ہے جو سکھاتا ہے کہ حقیقی روزہ ظاہری بھوک و پیاس کے ساتھ ساتھ دل اور روح کو بھی ہر آلودگی سے پاک کرنا ہے۔

مغفرت اور توبہ رمضان کا خاص پیغام ہے۔ امام علی فرماتے ہیں" :**الندم على الذنب استغفار**"[13]یعنی گناہ پر ندامت ہی اصل استغفار ہے (نہج البلاغہ، حکمت ۴۱۷)۔

ساتھ ہی آپ نے فرمایا" :أفضل الاستغفار ترك الإصرار "[14]یعنی بہترین استغفار وہ ہے جس میں آئندہ گناہ سے بچنے کا عہد شامل ہو -(غرر الحکم، حدیث ۸۴۳۵)۔

روزہ دار کی دعا اور استغفار رمضان میں خاص قبولیت پاتے ہیں،

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" :**للصائم دعوة لا ترد** [15]"روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی ۔(سنن ابن ماجہ، کتاب الصیام، حدیث ۱۷۵۲)۔

امام علی علیہ السلام نے خود بھی دعائے کمیل میں مغفرت اور اللہ کی رحمت کو پکارنے کا جو انداز اختیار کیا، وہ رمضان کی روح سے ہم آہنگ ہے" :**يا سريع الرضا اغفر لمن لا يملك إلا الدعاء**"[16]اے جلد راضی ہونے والے! اس بندے کو بخش دے جس کے پاس دعا کے سوا کچھ نہیں (دعائے کمیل، مفاتیح الجنان)۔

آپ نے رمضان کو اللہ کی خاص ضیافت اور بخشش کی راتوں کا مہینہ کہا، جس میں ایک سجدہ ہزار سجدوں سے افضل ہے اور ایک آنسو جہنم کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔[17] (بحار الانوار، جلد ۹۴، صفحہ ٦)۔

یہی رمضان ہے، یہی ماہِ مغفرت ہے، اور یہی وہ موسمِ بندگی ہے جس میں امام علی علیہ السلام نے اپنی عبادتوں، اپنے زہد اور اپنے عشقِ الٰہی سے امت کو بتایا کہ رمضان صرف بھوک پیاس کا نام نہیں بلکہ یہ دلوں کو جھکانے اور گناہوں سے بچنے کا مہینہ ہے۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا" :الصیام جنة من النار [18]" روزہ جہنم سے ڈھال ہے (بحار الانوار، جلد ۹٦، صفحہ ۳٦۸)۔

یہی ڈھال ہمیں رمضان کے ہر لمحے میں ہاتھ میں تھامنی ہے تاکہ رب کی رحمت اور مغفرت کے دروازے ہمارے لیے کھل جائیں۔

روزے کے عملی تقاضے

روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں بلکہ یہ روحانی اور اخلاقی تربیت کا ایک جامع نظام ہے۔ امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: " **:الصیام لیس من الطعام والشراب، ولکن من الکذب والباطل واللغو** [19]"یعنی روزہ صرف کھانے اور پینے سے رکنے کا نام نہیں بلکہ جھوٹ، باطل اور لغویات سے بچنے کا نام ہے۔ (بحار الانوار، جلد ۹٦، صفحہ ۳٦۹)۔

لہٰذا روزے کا پہلا عملی تقاضا **نیت کا اخلاص** ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے" **:وما أمروا إلا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین** "[20]یعنی انہیں صرف یہ حکم دیا گیا کہ وہ خالص اللہ کے لیے عبادت کریں۔ (سورہ البینہ، آیت ۵)۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:" **:قیمة کل امرئ ما یحسنه** "[21]یعنی ہر انسان کی قیمت اس کے اخلاص اور عمل کی خوبصورتی سے ہے (نہج البلاغہ، حکمت ۸۱)

روزے دار کی نیت جتنی خالص ہو گی، اس کا اجر اتنا ہی بلند ہو گا۔ دوسرا تقاضا **زبان، نگاہ اور دل کا روزہ** ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" **:کم من صائم لیس له من صیامه إلا الجوع والعطش**[22]" کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں ان کے روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ نہیں ملتا۔ (کنز العمال، حدیث ۲۳٦۰۸)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں" **:إذا صمت فلیصم سمعك وبصرك وشعرك وجلدك** "[23]جب تم روزہ رکھو تو تمہاری سماعت، بصارت، زبان اور جسم کے تمام اعضا کا روزہ ہونا چاہیے۔ (الکافی، جلد ۴، صفحہ ۸۷)۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں" :**صیام القلب خیر من صیام اللسان، وصیام اللسان خیر من صیام البطن** [24]"دل کا روزہ زبان کے روزے سے افضل ہے اور زبان کا روزہ پیٹ کے روزے سے بہتر ہے۔(غرر الحکم، حدیث ۵۶۹۵)۔

گویا حقیقی روزہ وہ ہے جو دل کو پاک کرے، زبان کو غلط بیانی سے روکے اور آنکھوں کو حرام سے بچائے۔

تیسرا تقاضا **اخلاقی اور سماجی رویوں میں بہتری** ہے۔ روزہ انسان کو دوسروں کے دکھ درد کا احساس سکھاتا ہے اور معاشرتی ہمدردی کا درس دیتا ہے۔ امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں" :**الصیام امتحان للإخلاص ورياضة للإرادة وتربية على الإحسان**" [25]روزہ اخلاص کا امتحان، ارادے کی تربیت اور احسان کی عملی مشق ہے۔(غرر الحکم، حدیث ۵۶۹۶)۔

روزہ دار کے لیے ضروری ہے کہ وہ زبان سے کسی کو تکلیف نہ دے، اپنے برتاؤ سے دوسروں کے لیے آسانی پیدا کرے اور اپنی عبادت سے دوسروں کو بھی نیکی کی طرف بلائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا":**أحب الأعمال إلى الله سرور تدخله على مؤمن**[26] "اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل یہ ہے کہ تم کسی مومن کے دل میں خوشی داخل کرو۔(الکافی، جلد ۲، صفحہ ۱۹۹)۔

یہی رمضان کا اخلاقی پیغام ہے کہ روزہ صرف خودسازی نہیں بلکہ معاشرتی خیرخواہی اور اصلاح کا ذریعہ بھی ہے۔

ماہِ صیام اور ہماری ذمہ داریاں

ماہِ رمضان کا سب سے بڑا پیغام تقویٰ کا حصول ہے۔ قرآن نے روزے کی فرضیت کا بنیادی مقصد ہی تقویٰ قرار دیا ہے" :كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ) "سورہ البقرہ، آیت ۱۸۳)۔ امام علی علیہ السلام تقویٰ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

" :**التقوى هي الخوف من الجليل والعمل بالتنزيل والقناعة بالقليل والاستعداد ليوم الرحيل** [27]" تقویٰ یہ ہے کہ انسان اللہ سے ڈرے، اس کے حکم پر عمل کرے، تھوڑے پر قناعت کرے اور آخرت کی تیاری میں مصروف رہے۔(نہج البلاغہ، حکمت ۷۷)

۔ رمضان کا سب سے پہلا سبق یہی ہے کہ انسان اپنے اندر اللہ کا خوف اور اطاعت کا جذبہ پیدا کرے، اور یہ شعور

حاصل کرے کہ ہر لمحہ رب اسے دیکھ رہا ہے۔ یہی تقویٰ روزے کا اصل حاصل ہے۔

دوسری بڑی ذمہ داری **عبادات میں خلوص اور استقامت** ہے۔ رمضان محض عبادات کا موسمی ریاضت نہیں بلکہ مستقل عبادت گزاری کا درس دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" :أفضل الأعمال أدومها وإن قل "بہترین عمل وہ ہے جو مسلسل کیا جائے چاہے وہ کم ہو۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، حدیث ٦٤٦٥)۔[28]
امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں" :كونوا من أبناء الآخرة ولا تكونوا من أبناء الدنيا "[29] آخرت کے لیے کام کرنے والوں میں سے بنو، دنیا کے غلام نہ بنو۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۰۳)۔
رمضان سکھاتا ہے کہ عبادات کو صرف رمضان تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اس شوق اور محبت کو پورے سال جاری رکھا جائے۔ نماز، تلاوتِ قرآن، دعا اور استغفار کو زندگی کا حصہ بنانا ہی حقیقی کامیابی ہے۔

تیسری ذمہ داری رمضان کے پیغام کو سال بھر اپنانا ہے۔ امام علی علیہ السلام نے فرمایا : "إنما هو نفس معدود وأنفاس محدودة فكل نفس يخرج ينقص به عمره ثم يُختم ذلك كله بآجله " انسان کی عمر چند گنتی کے سانسوں پر مشتمل ہے، ہر سانس جو نکلتا ہے وہ عمر کو کم کرتا ہے، اور پھر ایک دن یہ سب ختم ہو جاتا ہے۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۴۷)۔
رمضان ہمیں وقت کی قدر، نیکی کی محبت اور برائی سے نفرت کا سبق دیتا ہے۔ رمضان کے بعد اگر انسان اپنی زندگی میں وہی پاکیزگی اور بندگی کا رنگ باقی رکھے تو یہ رمضان کی حقیقی کامیابی ہے۔ امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں" :اليوم عمل ولا حساب وغدا حساب ولا عمل"[29] آج عمل کا دن ہے، حساب نہیں اور کل حساب کا دن ہوگا، عمل کا موقع نہ ہوگا۔(نہج البلاغہ، خطبہ ۴۲)۔
یہی احساس رمضان ہمیں دیتا ہے کہ لمحہ لمحہ قیمتی ہے، اور جو روحانی طاقت اس مہینے میں حاصل ہوئی، اسے سال بھر اپنی عملی زندگی میں شامل کرنا ہی ہمارا حقیقی امتحان ہے۔

نتیجہ:

ماہِ صیام اپنی تمام روحانی، اخلاقی اور سماجی برکتوں کے ساتھ ایک ایسا جامع تربیتی نظام ہے جو انسان کو **روحانی ترقی** کے اعلیٰ ترین درجے پر پہنچاتا ہے۔ یہ صرف عبادت کا عمل نہیں بلکہ ایک مکمل تربیت ہے جو دل، دماغ، روح اور معاشرت کو پاکیزگی عطا کرتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے" :وأن تصوموا خير لكم إن كنتم تعلمون "[30] اور اگر تم سمجھو

تو روزہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ (سورہ البقرہ، آیت ۱۸۴)۔
امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں" :الصیام جنة من عذاب الله [31]"روزہ اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے ڈھال ہے۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۳۳)۔
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ روزہ محض جسمانی مشقت نہیں بلکہ تقویٰ، صبر اور خود احتسابی کی وہ مشق ہے جو انسان کو اللہ کے قرب تک پہنچا دیتی ہے۔

روزہ صرف بھوک اور پیاس برداشت کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ **عبادتوں کی معراج** ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں" :إذا صمت فليصم سمعك وبصرك وجلدك وشعرك وجميع جوارحك[32] "جب تم روزہ رکھو تو تمہاری سماعت، بصارت اور تمام اعضا کا بھی روزہ ہونا چاہیے۔ (الکافی، جلد ۴، صفحہ ۸۷)۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا" :**كم من صائم ليس له من صيامه إلا الجوع والعطش، وكم من قائم ليس له من قيامه إلا السهر والتعب**[33] "کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں ان کے روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، اور کتنے ہی شب بیدار ایسے ہیں جنہیں سوائے جاگنے اور تھکن کے کچھ نہیں ملتا۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۱۴۵)

یہ واضح پیغام ہے کہ روزہ اس وقت عبادت کی معراج بنتا ہے جب اس میں اخلاص، شعور اور تقویٰ شامل ہو۔

ماہِ رمضان بندے کو رب سے قریب کرنے، اس کی روحانی صلاحیتوں کو نکھارنے اور اسے دنیا و آخرت میں کامیاب کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہی وہ عبادت ہے جسے اللہ نے خاص اپنے لیے قرار دیا ہے" :**الصوم لي وأنا أجزي به** "[34]روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ (صحیح بخاری، کتاب الصوم، حدیث ۱۹۰۴)۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں" :أفضل الأعمال ما أكرهت عليه النفس[35] "بہترین عمل وہ ہے جسے نفس پر بھاری سمجھا جائے۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۲۳۳)۔
روزہ بھی ایسا ہی عمل ہے جو نفس پر بوجھ محسوس ہوتا ہے مگر اس کا اجر اللہ خود عطا کرتا ہے اور یہی وہ معراج ہے جو انسان کو حقیقی بندگی تک پہنچاتی ہے۔

فہرستِ حوالہ جات:

القرآن، سورۃالبقرہ، آیت ۱۸۳

القرآن، سورۃالبقرہ، آیت ۱۸۴(

غررالحکم ودررالکلم

غررالحکم

، سورۃالبقرہ، آیت ۱۸۵

نہج البلاغہ حکمت ۲۵۲

نہج البلاغہ خطبہ 193

" صحیح بخاری، کتاب الصوم، حدیث نمبر ۱۸۹۹

(غررالحکم، حدیث ۴۵۱۹)۔

(غررالحکم، حدیث نمبر ۴۱۷۷)

(غررالحکم، حدیث ۸۴۴۶)

غررالحکم، حدیث ۳۲۷۶)۔

(بحارالانوار، جلد ۹۶، صفحہ ۳۶۹)۔

غررالحکم، حدیث ۸۴۴۵)۔

دعائے کمیل، مفاتیح الجنان

دعائے کمیل، مفاتیح الجنان

بحارالانوار، جلد ۹۴، صفحہ ۶

بحار الانوار، جلد ۹۶، صفحہ ۳۶۸

(بحار الانوار، جلد ۹۶، صفحہ ۳۶۹

سورہ البینہ، آیت ۵

نہج البلاغہ، حکمت ۸۱

کنز العمال، حدیث ۲۳۶۰۸

الکافی، جلد ۴، صفحہ ۸۷)۔

غرر الحکم، حدیث ۵۶۹۵

غرر الحکم، حدیث ۵۶۹۶

الکافی، جلد ۲، صفحہ ۱۹۹

نہج البلاغہ، حکمت ۷۷

صحیح بخاری، کتاب الرقاق، حدیث ۶۴۶۵

نہج البلاغہ، خطبہ ۴۲

سورہ البقرہ، آیت ۱۸۴

نہج البلاغہ، خطبہ ۲۳۳

الکافی، جلد ۴، صفحہ ۸۷

نہج البلاغہ، حکمت ۱۴۵

صحیح بخاری، کتاب الصوم، حدیث ۱۹۰۴

نہج البلاغہ، حکمت ۲۳۳

عدم تحریف قرآن

سید بہادر علی زیدی[21]

اشاریہ

جس طرح موجودہ توریت وانجیل کہ جسے کتاب مقدس کہتے ہیں ان میں تحریف ثابت شدہ ہے جبکہ قرآن کریم کا الٰہی ہونا بھی ثابت شدہ ہے لیکن یہود و نصارا اپنی کتب کے تحریف ہونے کی وجہ سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیائے مسیحیت اور یہودیت قرآن کریم کی اس آفاقی حیثیت سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہونے لگیں۔ اس لیے انہوں نے یہ کوشش کی ہے کہ کسی طرح قرآن کریم کو بھی تحریف شدہ ثابت کر دیں لیکن قرآن کریم کی عدم تحریف روز روشن کی طرح ثابت شدہ ہے۔ لہٰذا ہم اس سبق میں قرآن کریم کی صیانت اور عدم تحریف کے عوامل واسباب کو بیان کر رہے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ محترم متعلمیں بغور ان کا مطالعہ کریں گے اور انہیں اپنے ذہنوں میں محفوظ فرمائیں گے۔

تحریف بالزیادہ:

یعنی قرآن کے کلمات یا آیات میں کسی چیز کا اضافہ ہونا۔

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن میں ہر گز اس قسم کی تحریف نہیں ہوئی ہے اور تمام شیعہ و سنی حضرات اس بات کا شدّت سے انکار کرتے ہیں۔

دلیل عقلی بھی ہمارے اس قول کی تائید کرتی ہے کیونکہ صدر اسلام میں مسلمان قرآن کے حفظ و نگہداری۔ قرائت اور تعلیم و تعلّم پر اتنا زور دیتے تھے کہ نازل ہونے والی آیات قرآنی سے سب مانوس تھے لہٰذا اگر ایک جملہ بھی اضافہ ہو جاتا تو فوراً سب اس کی نشاندہی کر دیتے اور اُسے رد کر دیتے۔

تحریف بالنقیصہ:

یعنی کلمات و آیات قرآن میں کسی چیز کا کم ہونا۔

اس معنی میں تحریف لفظی یعنی کلمات قرآن، آیات اور سوروں میں سے کوئی حصہ حذف ہوا ہے یا نہیں، یہی مورد "مسئلہ تحریف قرآن" کا محور و مرکز ہے لیکن شیعہ قاطعیت و شدّت کے ساتھ اس قسم کی تحریف کو رد کرتے ہیں گرچہ بعض اہل تسنّن اس کے قائل ہیں چنانچہ حضرت عمر اور حضرت عائشہ کا خیال تھا کہ قرآن میں آیہ رجم:

---

[21] استاد، دانشگاہ مجازی المصطفیٰ (ص)

"الشیخ و الشیخۃ اِذا زَنَیا فَارجُمُو ھما البتّۃ نکالاً من اللہ۔۔۔" موجود تھی جسے حذف کر دیا گیا ہے۔ ۲۲

عوامل اور دلائل صیانت قرآن

الف: عوامل صیانت قرآن:

ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جن کی بدولت یہ آج تک ہر طرح کی تحریف سے محفوظ رہی ہے؟ اور دشمنان دین یا نادان لوگ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس میں کسی قسم کی تحریف و ردوّ و بدّل کرنے یا ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اس سوال کا جواب مندرجہ ذیل تین نکات کے تحت دیں گے۔

(۱) اہتمام خداوند متعال:

اہتمام وانتظام پروردگار کا نام ہے "اعجاز قرآن" یعنی پروردگار عالم نے اسے معجزہ بنا کر بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ:

"إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحافِظُون" ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، لہٰذا اب باطل قوت اس قلعہ میں کسی بھی سمت سے داخل نہیں ہو سکتی۔

☆اس کے اعجاز ادب اور نظم و ترتیب کو دیکھ کر تاریخ کے بڑے بڑے ادیب و شعرا حیرت زدہ ہیں۔

☆اس کے اعجاز علمی کو دیکھ کر علماء افاضل اور دنیا کے بڑے بڑے اسکالرز غرق حیرت ہیں۔

☆اس کے اعجاز عددی کو دیکھ کر بڑے بڑے صاحبان ریاضی دان انگشت بدندان ہیں۔

☆اس کے اعجاز معارف کو دیکھ کر صاحبان حکمت اس کی عظمت کا کلمہ پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

☆اس کے اعجاز استدلال کو دیکھ کر صاحبان عقل و خرد بھی اپنی کم مائیگی کا اعتراف اور اس کی بلند پائیگی کی گواہی دیتے ہیں۔

(۲) اہتمام نبی کریم ﷺ:

خود حضور اکرم ﷺ نے قرآن کریم کو تحریف سے بچانے کیلئے مندرجہ ذیل اقدامات کیے ہیں:

ا۔ ترغیب تلاوت و حفظ قرآن:

حضور سرور کائنات اپنے اصحاب کو خاص طور پر آیات و سوروں کے حفظ و تلاوت کی ترغیب و تشویق کیا کرتے تھے۔

مجمع البیان میں قرآن کے حفظ و تعلّم اور قرائت و تلاوت کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے روایت نقل کی گئی ہے:

"مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ حَتَّى يَسْتَظْهِرَهُ وَ يَحْفَظَهُ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ۔۔۔" ۲۳

۲۲۔ صحیح بخاری، شرح کرمانی ج ۲۳، ص ۲۱۴، حدیث ۶۴۲۴؛ مسند احمد، ج ۱، ص ۲۳

۲۳۔ مجمع البیان: ۸۵۱۔

۲۔ کتابت قرآن:

آنحضرت نے کتابت سے آشنائی رکھنے والے اپنے اصحاب کو منتخب کیا تاکہ آیات کے ثبت و ضبط میں کوئی کمی نہ رہنے پائے جب بھی کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ انہیں بلاتے اور انہیں اس وحی کے لکھنے کا حکم فرماتے۔ یہی "کاتبان وحی" کہلاتے ہیں۔

یاد رہے کہ آنحضرت صرف لکھوانے پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ لکھوا کر سنا کرتے تھے تاکہ اگر کوئی کمی بیشی ہو تو اس کی اصلاح کر دی جائے۔ ۲۴

(۳) اہتمام مسلمین:

مسلمانوں نے اس کے تحفظ میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کی ہیں تاکہ اس میں کسی قسم کی کوئی کمی بیشی نہ ہونے پائے۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو اسے فوراً ضبط تحریر میں لاتے اور آنحضرت ﷺ کے سامنے پڑھ کر سناتے تاکہ کوئی غلطی نہ ہونے پائے۔

اس کے تحفظ و نگہداری میں وہ اتنے محتاط و حساس تھے کہ اس سلسلہ میں وہ کسی با اثر ترین آدمی کی بھی بات ماننے کیلئے تیار نہ ہوئے جیسا کہ جب حضرت عمر نے آیۂ رجم و دیگر روایات وغیرہ کو اپنے خیال خام کی بناء پر آیات قرآن ثابت کرنے کی کوشش کی تو کسی ایک مسلمان نے بھی اس مسئلہ میں ان کا ساتھ نہ دیا اور زید بن ثابت نے اسے قرآن میں ثبت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

پس تمام مسلمان ہر دور میں اسی طرح اس کا تحفظ کرتے رہے ہیں اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی بیشی نہیں ہونے دی ہے۔

ب: دلائل عدم تحریف

دلائل قرآنی:

ا۔ آیہ حفظ:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحافِظُون ۲۵ ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہ آیہ کریمہ واضح طور پر اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ قرآن ہر قسم کی کمی و بیشی سے محفوظ ہے اور قاعدۂ لطف کا بھی یہی تقاضا ہے کہ سند نبوت ہمیشہ محفوظ رہنی چاہیے۔ کیونکہ اسلام دین جاوید ہے بنابریں نبوت کی سند کو ہمیشہ محفوظ و سالم رہنا چاہیے۔

۲۔ آیۂ نفی باطل:

"وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ، لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهِ؛ اور یہ قرآن تو یقینی ایک عالی رتبہ کتاب ہے، باطل نہ اس کے سامنے سے آ سکتا ہے نہ پیچھے سے یہ حکمت والے اور لائق ستائش کی نازل کردہ ہے۔" ۲۶

یہ آیت بھی قرآن کی مصونیت و عدم تحریف کا بین ثبوت ہے، اس لیے کہ:

---

[۲۴]. مجمع الزوائد: ۱۵۲۱۔

[۲۵]. حجر، آیہ ۹۔

[۲۶]. فصّلت، ۴۱ و ۴۲۔

"عزیز" مادّہ عزت سے ہے جس کے معنی "سختی" ہیں اگرچہ یہ مختلف موارد میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان میں جو چیز عامل خارجی سے متاثر نہ ہو اسے "عزیز" کہتے ہیں۔ قرآن، عزیز ہے یعنی یہ ایسی سخت اور نفوذ ناپذیر کتاب ہے جو کسی بیرونی عامل سے متاثر اور مغلوب نہیں ہوسکتی۔ جملہ "لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ" اس حقیقت کی وضاحت کر رہاہے کہ باطل کسی صورت سے بھی اس میں داخل نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اس کی آیات میں اس قدر نظم واستحکام ہے کہ اس میں باطل کیلئے کوئی راہ ورود موجود نہیں ہے۔

دلائل روائی:

ا۔ حدیث ثقلین:

إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللهِ وَ عِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي أَبَداً۔۲۷

یہ حدیث شریف عامہ وخاصہ دونوں نے نقل کی ہے اس حدیث میں تین اہم نکات پائے جاتے ہیں:

اول: إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللهِ وَ عِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي

دوم: مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا

سوم: فَإِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْض

یہ حدیث مبارکہ عدم تحریف قرآن پر بہترین شاہد اور قطعی گواہی ہے۔ اور اس بات کی وضاحت کر رہی ہے کہ قرآن ہمیشہ اور تا روز قیامت محفوظ و مصون ہے۔ اس لیے کہ اگر اس میں تحریف ہو جائے تو قرآن و عترت دونوں سے تمسّک نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ اگر عترت موجود ہو اور قرآن نہ رہے تو گویا دونوں میں جدائی ہو گئی جبکہ حدیث ثقلین واضح طور پر اعلان کر رہی ہے کہ دونوں میں ہر گز جدائی نہیں ہوسکتی۔

پس قرآن و عترت میں عدم افتراق وجدائی قرآن کی عدم تحریف اور مصونیت کی بہترین دلیل ہے۔

۲۔ روایات آئمہ معصومین

آئمہ معصومین سے کچھ اس طرح کی روایات ہم تک پہنچی ہیں جو اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہیں کہ جب تم زمانہ کے حوادث اور فتنوں میں گھر جاؤ تو قرآن کی طرف رجوع کرنا کیونکہ یہ بہترین پناہ گاہ ہے۔۲۸

لہٰذا اگر خود قرآن بھی حوادث زمانہ کا شکار ہو جائے تو پھر یہ ہمارے لئے کس طرح پناہ گاہ بن سکتا ہے؟!

۳۔ روایات عرض بر قرآن

یہ روایات عدم تحریف پر بہترین دلیل ہیں۔ آئمہ معصومین سے ایسی احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں فرماتے ہیں کہ جو بات بھی ہم سے تم تک پہنچے اسے قرآن پر منطبق کر کے دیکھ لو، اگر قرآن کے موافق ہو تو قبول کر لینا اور اگر مخالف قرآن ہو تو اسے ہر گز تسلیم نہ کرنا

---

۲۷. الغدیر وعلوم القرآن عند المفسرین، ج۱، ص۱۸۷۔

۲۸. اصول کافی، کتاب فضل القرآن، ج۴، ص۲۹۸۔

"مَا وَافَقَ كِتَابَ اللّٰهِ فَخُذُوهُ وَ مَا خَالَفَ كِتَابَ اللّٰهِ فَرُدُّوهُ" ۲۹

روایات عرض بر قرآن دو اعتبار سے عدم تحریف پر دلالت کر رہی ہیں:

اول: جو چیز صحیح و سقیم میں تشخیص کا معیار و میزان قرار پاتی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک ہو بنا بریں جب قرآن روایات کی جانچ پڑتال کیلئے معیار و میزان ہے تو خود قرآن کو مکمل طور پر ہر عیب و نقص سے پاک ہونا چاہیے۔

دوم: اگر ہم تحریف قرآن کی حکایت کرنے والی روایات کو قرآن پر منطبق کرتے ہیں تو ہم دیکھیں گے کہ یہ قرآن کے برخلاف وارد ہوئی ہیں اس لیے کہ قرآن کہہ رہا ہے:

"إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحافِظُون" اور اسی طرح "لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ"

۴۔ اہل بیتؑ سے صادر شدہ نصوص:

معصومینؑ سے بہت سی ایسی احادیث نقل ہوئی ہیں کہ واضح طور پر یا بطور اشارہ عدم تحریف قرآن کی وضاحت کر رہی ہیں، اس سلسلہ میں امام محمد باقرؑ کی جانب سے سعد الخیر کی طرف ارسال شدہ خط کا ذکر کیا جا سکتا ہے جسے محدّثِ کلینی نے سند صحیح کے ساتھ روضہ کافی میں نقل کیا ہے۔ ۳۰ اس خط کے جملہ مطالب میں سے یہ بھی ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

"فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِم" ہمارے مخالفین نے قرآن کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے، پھر فرماتے ہیں:

"وَكَانَ مِنْ نَبْذِهِمُ الْكِتَابَ أَنْ أَقَامُوا حُرُوفَهُ، وَحَرَّفُوا حُدُودَه؛ قرآن کے حروف یعنی الفاظ و عبارات، حسن ترتیل و قرائت پر تو بہت زور دیتے ہیں لیکن انہوں نے اس کے احکام و قوانین میں تحریف کر دی ہے۔"

اس عبارت میں موجود تعبیر "أَقَامُوا حُرُوفَهُ" عدم تحریف پر صاف صاف دلالت کر رہی ہے اس لیے آیت اللہ خوئی فرماتے ہیں: یہ روایت تحریف قرآن کے سلسلے میں وارد ہونے والی تمام روایات پر حاکم ہے کیونکہ اس میں تحریف کی تفسیر بیان کی گئی ہے کہ تحریف سے مراد تفسیر بالرائے ہے۔

۵۔ مکمل سورہ یا قرآن پڑھنے کا ثواب بیان کرنے والی روایات

بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص فلاں مکمل سورہ پڑھے یا پورا قرآن پڑھے تو اس کا اتنا ثواب ہے یا نماز میں حمد کے بعد ایک کامل سورہ پڑھنے کا حکم ہے ان تمام موارد سے صاف واضح ہوتا ہے کہ قرآن میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی ہے ورنہ ان احادیث کا مقصد بیکار ہو جائے گا۔

دلائل عقلی:

۱۔ حکم عقلی بدیہی:

صدر اسلام سے آج تک قرآن کریم تمام مسلمانوں کی خاص توجہ کا محور و مرکز بنا رہا ہے اور ان کی اس خاص توجہ اور حساسیت کی بنا پر قرآن مکمل طور پر

---

۲۹. وسائل الشیعہ، ج۱۸، باب ۹ از ابواب صفات قاضی، ح ۱۹، ۲۹، ۳۵۔

۳۰. روضہ کافی، ج۸، ص ۵۳، شمارہ: ۱۶۔

تحریف سے محفوظ رہا ہے کیونکہ یہی ان کے تمام امور دینی، سیاسی واجتماعی کا مدرک و مآخذ اور ستون اسلام کی حیثیت رکھتا ہے۔ بنابرین یہ کس طرح ممکن ہے کہ اہل باطل اس میں دراڑیں ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے جبکہ اس کے حروف وکلمات کی تعداد کے بارے میں بھی بھرپور علم رکھتے تھے۔

اس کے علاوہ پروردگار عالم نے اسے ہماری ہدایت ورہبری کیلئے نازل کیا ہے لہٰذا عقل کا تقاضا ہے کہ معارف دینی واصول کلی اور اسلامی قانون ایک مکمل کتاب کی صورت میں لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہونا چاہیے جس طرح گزشتہ ادیان میں بھی قانون الٰہی کتابی صورت میں موجود تھا۔ لہٰذا یہ بات عقل سے دور ہے کہ پروردگار ایسی کتاب لوگوں کے دست اختیار میں چھوڑ دے کہ جس کا دل چاہے اپنی مرضی سے اس میں کمی وزیادتی کردے۔ اگر ایسا ہو جائے گا تو یہ امر خود غرض الٰہی کے برخلاف ہو جائے گا پس ماننا پڑے گا کہ قرآن ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ومصون ہے۔

۲۔ تواتر متن قرآن

متن قرآن تواتر کے ذریعہ ثابت ہے یعنی اس کے کلمات، حروف، حرکات وسکنات اور اعراب وغیرہ سب کے سب تواتر کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں یعنی تمام مسلمانوں نے اسے دست بدست اور سینہ بسینہ نقل کیا ہے۔ بنابریں تحریف کے سلسلہ میں وارد ہونے والی روایات خبر واحد ہیں اور قرآن خبر واحد کے ذریعہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ تواتر کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہتا ہے کہ فلاں کلمہ یا فلاں جملہ، قرآن تھا تو اس کا یہ قول خبر واحد ہونے کی بناپر قابل قبول نہیں ہے۔

یاد رہے کہ خبر واحد، مسائل اصول وکلامی میں معتبر نہیں ہے لیکن مسائل عملی وفرعی میں معتبر ہے۔

۳۔ مسئلہ اعجاز قرآن

جو لوگ قرآن کو معجزہ مانتے ہیں وہ ہرگز تحریف کو قبول نہیں کرسکتے اس لیے کہ اعجاز کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار عالم نے تمام بنی نوع انسان کو چیلنج (تَحَدِی) کیا ہے کہ اگر تم میں توانائی ہے تو اس کے مثل لیکر آؤ۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ قرآن میں ایک آیت یا سورہ کا اضافہ ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا خالق اکبر کا چیلنج ٹوٹ جائے گا پس تحریف قرآن کا عقیدہ تحدّی قرآن کے بالکل منافی ہے۔

بعض خوارج کا عقیدہ ہے کہ سورہ یوسف قرآن کا حصہ نہیں ہے بلکہ اس میں اضافہ ہو گئی ہے کیونکہ یہ ایک داستان عشق ہے جس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

قرآن اس بارے میں فرماتا ہے:

"قل لَئِنِ اجتَمَعَتِ الاِنسُ والجِنَّ علیٰ أن يَأتُوا بِمِثْلِ هذا القرآنِ لَا يَاتونَ بِمِثلِهِ ولو كان بَعْضُهم لِبَعْضٍ ظهيراً؛اے رسول تم کہہ دو کہ اگر ساری دنیا جہان کے آدمی اور جن اس بات پر اکھٹے ہو جائیں کہ اس قرآن کے مثل لے آئیں تو غیر ممکن اس کے برابر نہیں لاسکتے اگرچہ اس کوشش میں ایک کا ایک مددگار بھی بنے۔"[۳۱]

"وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُواْ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ؛اور اگر تم لوگوں کو اس (کتاب) کے بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے

[۳۱]. اسراء (۱۷) آیت ۸۸۔

بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسی کوئی سورہ بنالاؤ۔۔۔" ۳۲۔

ان آیات کو آیات تحدّی کہتے ہیں یعنی چیلنج کرنا پس اگر کوئی سورہ یوسف بنانے اور اسے قرآن میں شامل کرنے کا دعویدار ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا چیلنج ٹوٹ گیا اور یہ بات ناقابل قبول ہے۔

دلائل تاریخی:

اگر کسی قسم کی تبدیلی و خلل پر عام مسلمانوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ وہ خاموش رہ سکتے ہیں تو جو افراد اسلام کے جانثار ہیں اور اس کے فداکار ہیں خصوصاً حضرت علیؑ کے بارے میں یہ سوچنا صحیح ہے کہ قرآن میں کوئی تحریف ہو جائے اور مولا علیؑ خاموش رہ جائیں؟! حالانکہ وہ تو مسائل فروع دین میں بھی بہت حساس نظر آتے ہیں اور کسی قسم کی ناروا پالیسی کو برداشت نہیں کرتے ہیں مثلاً اپنی حکومت کے زمانے میں حضرت عثمان کی عطا کردہ جاگیریں جب مسلمانوں کو پلٹادیں تو فرمایا: "خدا کی قسم! اگر مجھے ایسا مال بھی کہیں نظر آتا جو عورتوں کے مہر اور کنیزوں کی خریداری پر صرف کیا جاچکا ہوتا تو اُسے بھی واپس پلٹا لیتا چونکہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے میں وسعت ہے اور جسے عدل کی صورت میں تنگی محسوس ہو اُسے ظلم کی صورت میں اور زیادہ تنگی محسوس ہوگی۔" ۳۳

جب حضرت علیؑ اموال مسلمین کے بارے میں اتنے حساس نظر آتے ہیں تو پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ قرآن میں کوئی تبدیلی ہوتی اور وہ خاموش رہ جاتے!

تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ تمام آئمہ معصومین اسی قرآن سے مناظرہ کیا کرتے تھے، اسی سے استدلال کرتے اور اسی کی تائید اور دفاع کرتے تھے لٰہذا ان کا یہ عمل، قرآن کی عدم تحریف پر بہترین دلیل ہے۔

منابع و مآخذ

۱۔ التمہید فی علوم القرآن (۵ جلدی)۔ آیت اللہ محمد ہادی معرفت

۲۔ صحیح بخاری۔ شرح کرمانی

۳۔ مسند احمد ابن حنبل

۴۔ وسائل الشیعہ۔ شیخ حر عاملی

۵۔ غوالی اللئالی۔ ابن ابی الجمہور

۶۔ الکشاف۔ محمود بن عمر زمخشری

۷۔ لسان العرب۔ ابن منظور

۸۔ قاموس قرآن۔ اکبر قریشی

۹۔ مفردات قرآن۔ راغب اصفہانی

---

[۳۲] بقرہ (۲) آیت ۲۳۔

[۳۳] نہج البلاغہ: خ ۱۵۔

۱۰۔ اعتقادات شیخ صدوق ہمراہ شرح باب حادی عشر

۱۱۔ اوائل المقالات : شیخ مفید

۱۲۔ مدخل التفسیر : محمد فاضل لنکرانی

۱۳۔ مجمع البیان : علامہ طبرسی

۱۴۔ التبیان : شیخ طوسی

۱۵۔ مجمع الفائدہ : محقق اردبیلی

۱۶۔ آلاء الرحمٰن : شیخ محمد جواد بلاغی

۱۷۔ کشف الغطاء : کاشف الغِطاء

۱۸۔ تفسیر المیزان : علامہ طباطبائی

۱۹۔ تہذیب الاصول : امام خمینی

۲۰۔ انوار الھدایہ لشرح کفایۃ الاصول : امام خمینی

۲۱۔ تفسیر "البیان" آیت اللہ خوئی

۲۲۔ صیانۃ القرآن من التحریف : آیت اللہ محمد ہادی معرفت

۲۳۔ مقالات اسلامیّین : ابو الحسن اشعری

۲۴۔ اظہار الحق۔ شیخ رحمت اللہ ہندی دہلوی

۲۵۔ المدخل اِلی القرآن الکریم۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ درّاز

۲۶۔ مجلّہ رسالۃ الاسلام۔ قاہرہ سال ۱۱، شمارہ : ۴۴

۲۷۔ المحلی : ابن حزم اندلسی

۲۸۔ البرہان فی علوم القرآن : زرکشی

۲۹۔ الاتقان : جلال الدین سیوطی

۳۰۔ مناہل العرفان : زرقانی محمد عبد العظیم

۳۱۔ مباحث فی علوم القرآن : صبحی صالح

۳۲۔ اُلاصول : ابو بکر محمد بن احمد سرخسی

۳۳ : صحیح مسلم

۳۴ : صحیح ترمذی

۳۵ : الموطأ ابن مالک

۳۶ : سنن ابن ماجہ

۳۷۔ سنن ابو داؤد

۳۸۔ سنن دارمی

۳۹۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری : ابن حجرِ عسقلانی

۴۰۔ تفسیر ابن کثیر

۴۱۔الدر المنثور: جلال الدین سیوطی

۴۲۔ میزان الاعتدال: ابن حجر عسقلانی

۴۳۔ منتخب کنزالعمال در حاشیہ مسند احمد چاپ، بیروت

۴۴۔ سنن کبری: بیہقی

۴۵۔علوم قرآنی: محمد ہادی معرفت مؤسسہ فرہنگی انتشاراتی "التمہید"

۴۶۔ بحار الانوار۔ علامہ مجلسی

۴۷۔البیان فی تفسیر القرآن۔ سید خوئی

۴۸۔اصول کافی۔ یعقوب کلینی

۴۹۔الوافی۔ محدث کاشانی

۵۰۔البرہان فی علوم التحریف: میرزا مہدی بروجردی

۵۱۔ حقائق ھامۃ حول القرآن الکریم: سید جعفر مرتضیٰ